لکھنؤ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۱۹ | ۱۰ اپریل ۱۹۸۲ء | ۱۵ جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ | شمارہ نمبر ۱۱

زرِ تعاون

اندرونِ ملک ——— بیس روپے

فی پرچہ ——— ایک روپیہ

بیرونِ ملک۔ بحری ڈاک۔ بین ممالک ۵ پونڈ

ہوائی ڈاک

ایشیائی ممالک ——— ۷ پونڈ

افریقی ممالک ——— ۸ پونڈ

یورپ، امریکہ ——— ۱۰ پونڈ

اداریہ:

شمس الحق ندوی

سب خطرہ میں ہیں

اس میں شبہ نہیں کہ ہمارا معاشرہ ناقابلِ بیان حد تک پستی کی طرف جا رہا ہے اور ہر آنے والے دن اس میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ بداخلاقی، بددیانتی، خونریزی و غارتگری، عصمت و عفت کی پردہ دری، اور حیاسوز کردار کا مظاہرہ۔ غرض یہ کہ کوئی گناہ و پاپ ایسا نہیں رہ گیا ہے جو ہمارے ملک و معاشرہ میں عام نہ ہوگیا ہو۔

گناہ و پاپ تو دنیا جب سے قائم ہے ہمیشہ ہی رہا ہے اور خیر و شر میں معرکہ آرائی ازل سے چلی آ رہی ہے لیکن جو صورت حال اس وقت ہوگئی ہے اور اس میں برابر اضافہ ہوتا جا رہا ہے شاید کبھی نہ تھی۔

انسان سفر کرتے اور راہ چلتے خطرہ محسوس کرتا ہے۔ زمانۂ قدیم میں جب وسائل نہیں تھے جنگلوں اور بیابانوں کو طے کرکے سفر کی منزل طے ہوتی تھی درندوں اور جنگلی جانوروں کا خطرہ ہوتا تھا تو انسان کہا سنا معاف کرا کے گھر سے نکلا کرتا تھا کہ نہ معلوم پھر ملاقات ہو کہ نہ ہو۔

لیکن اس ترقی کے دور میں جب مسافتیں سمٹ چکی ہیں وسائلِ سفر میں غیر معمولی سہولت ہوگئی ہے انسان گھر سے نکلتا ہے تو اس خوف و تذبذب کے ساتھ کہ سفر کی منزلیں بخیریت طے ہوں گی یا وہ کسی حادثۂ ناگاہ و جانکاہ کا شکار ہوگا۔

ٹرینیں لٹ رہی ہیں بسیں الٹ رہی ہیں، سواریاں راہ گیروں پر سے اس طرح گزر جاتی ہیں جیسے کیڑے مکوڑوں پر سے۔

یہ واقعات و حوادث پریس میں بھی آتے ہیں کسی دن کا اخبار ان دردناک واقعات و خبروں سے خالی نہیں ہوتا ہے اور پڑھنے والے ایسے عادی ہو گئے ہیں کہ جیسے یہ بھی کوئی تفریحی بات ہے۔ نہ کوئی آہ ہے نہ کراہ ہے۔ بالکل اس طرح جیسے جانوروں کا ریوڑ چراگاہ میں ہوتا ہے اس میں سے ایک جانور مر جاتا ہے دوسرے جانوروں کو کوئی شعور نہیں ہوتا مُردہ پڑا ہوتا ہے زندہ چرتے رہتے ہیں۔

آج انسانیت کی گراوٹ و پستی اس سے بھی آگے جا رہی ہے اشرف المخلوقات ارذل المخلوقات بن گیا ہے۔ کس کا دل دکھا، کس کے آنسو گرے، کیسے معصوم کلی جیسے بچے یتیم ہو گئے، کس کا سہاگ لٹا کون سا گھر بے چراغ ہوا اس کا ادنیٰ شعور نہیں باقی رہا۔ یہ طوفان کتنا اور آگے بڑھے گا۔ انسانیت ابھی پستی کے کس زینے تک اترے گی، اس کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے۔

اتنے بڑے اور وسیع ملک میں دو چار انسان بھی ایسے نہیں نظر آتے جو اپنے ذاتی مفاد سے بالاتر ہو کر اس کے خلاف کوئی آواز اٹھائیں اور پستی کی طرف جاتے ہوئے قافلۂ انسانیت کو اس کا سبق یاد دلانے کی فکر کریں حتیٰ کہ وہ دانش گاہیں جنکو ہم تعلیم و تربیت کا مرکز قرار دیتے ہیں وہاں سے بھی اس کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھتی بس سب کو ایک ہی فکر ہے۔ کار، کوٹھی، مگر یہ احساس نہیں ہوتا کہ ملک کے اندر اخلاقی گراوٹ جو اب خونخواری کی حد تک پہونچ گئی ہے وہ کسی وقت بھی کار کوٹھی میں آگ لگا سکتی اور صاحب کے بنگلہ تک کو تاراج کر سکتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ اب یہ کہا جانے لگا ہے کہ دانش گاہیں ہی پڑھے لکھے مہذب اور منظم و ترقی یافتہ طریقہ پر جامۂ انسانیت تار تار کرنے کا کام انجام دے رہی ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ کچھ سر پھرے لوگ میدان میں آئیں اور ملک و ملت کی اس کشتی کو جو منجدھار میں ہچکولے کھا رہی ہے اور اب ڈوب تب ڈوب جا رہی ہے اس کو پار لگانے کی کوشش کریں ورنہ ملک میں مہذب لٹیروں کی بڑھتی ہوئی تعداد ایوانِ حکومت تک کو ہلا کر رکھ دے گی۔ پھر اس ملک میں جمہوریت رہے گی نہ ڈکٹیٹرشپ چلے گی۔ بلکہ جنگل کا قانون چلے گا جس کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ جو لوگ اپنے کو محفوظ سمجھتے ہیں وہ دھوکے میں نہ رہیں، ترتیب میں تو فرق ہو سکتا ہے لیکن انجام سب کا ایک ہوگا۔

اس حقیقت کو اس سے بڑھ کر بلیغ انداز میں نہیں سمجھایا جا سکتا جس انداز میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:۔

برائی و پاپ سے روکنے اور اس کا ارتکاب کرنے والوں کی مثال ایسی ہے کہ کچھ لوگوں نے ایک کشتی پر قرعہ ڈالا، کچھ لوگوں کے نام اوپر کے حصہ میں آئے اور کچھ کے نیچے کے حصہ میں۔ نیچے والے اوپر پانی لینے جاتے اور اوپر والوں کے پاس سے گذرتے تو وہ بہت ناراض ہوتے تھے۔ نیچے والوں نے کہا ہم اپنے نیچے کے حصہ میں سوراخ کرلیں گے تو پھر اوپر والوں کو تکلیف نہ ہوگی۔ اگر اوپر والے ان کو اس ارادہ سے باز رکھیں گے تو سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے اور اگر ان کے ہاتھوں کو پکڑ لیا تو سب کے سب نجات پائیں گے۔ (بخاری)

اس دائرہ میں اگر سُرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے لہٰذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا خادم، ندوۃ العلماء کا ترجمان، آپکی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ بیس روپے ارسال فرمائیے۔ اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ یا خط موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو وی۔ پی ہی سے چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ مع وی۔ پی خرچ 24/25 Rs کے مطالبہ میں وی۔ پی سے روانہ ہوگا۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔

کتاب و سنت سے

فضائلِ قرآن

مولانا سید عبد الحی حسنیؒ

آیات:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (بقرہ - ۲)

یہ کتاب (قرآن مجید)، اس میں کچھ شک نہیں (کہ کلام خدا ہے خدا سے) ڈرنے والوں کی رہنما ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ۔ (اسراء - ۱۰۶)

اور ہم نے قرآن کو جزو جزو کرکے نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر سناؤ۔

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا۔ (مزمل - ۴)

اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔

وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا۔ (انفال - ۲)

اور جب انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔ (حشر - ۲۱)

اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ خدا کے خوف سے دبا اور پھٹا جاتا ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ۔ (قمر - ۱۷)

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا قرآن پڑھا کرو، وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی سفارش کرے گا۔ (مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قرآن سمجھ کر پڑھتا ہے وہ بزرگ فرشتوں کے ساتھ ہوگا، اور جو شخص قرآن کریم اٹک اٹک کر مشکل سے پڑھتا ہے اس کو دہرا اجر ملے گا۔ (مسلم)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مومن قرآن شریف پڑھتا ہے اس کی مثال ترنج کی ہے کہ اس کی خوشبو بھی اچھی اور ذائقہ بھی لذیذ، اور جو مومن قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال کھجور کی ہے کہ اس میں خوشبو تو نہیں ہوتی، لیکن ذائقہ نہایت لذیذ بہت میٹھا، اور جو منافق قرآن شریف پڑھتا ہے اس کی مثال ریحان کی ہے کہ خوشبو اچھی اور ذائقہ کڑوا، اور جو منافق قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال حنظل کی ہے کہ ذائقہ بھی کڑوا اور خوشبو بھی نہیں۔ (متفق علیہ)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، رشک صرف دو موقع پر مناسب ہے۔ رشک اس شخص پر آئے جس کو اللہ تعالیٰ نے کلام پاک کا علم عطا فرمایا وہ اس پر دن رات عمل کرتا ہے، دوسرا موقع رشک کا یہ ہے کہ ایک شخص ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے سرفراز فرمایا اور وہ اپنی دولت کو رات دن بہتر طریقہ پر خرچ کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ، میں نے عرض کیا، میں آپ کو قرآن سناؤں! آپ ہی پر تو نازل ہوا ہے، آپ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ دوسرے کی زبان سے سنوں، تو میں نے سورۂ نساء شروع کی اور جب اس آیت پر پہنچا، فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا۔ فرمایا اب بس۔ میں نے دیکھا تو آپ کے آنسو بہہ رہے تھے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ بھی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں اللہ کی کتاب یعنی قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہیں، اس کا درس دیتے ہیں یعنی بیان کرتے ہیں، تو ان پر سکینت اترتی ہے، رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے، فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں ان کا ذکر اللہ تعالیٰ اپنی مجلس میں کرتا ہے۔ (مسلم)

حضرت ابو سعید رافع بن معلیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ میں مسجد سے نکلنے کے پہلے تم کو قرآن مجید کی بڑی عظمت والی سورہ تعلیم کروں گا، پھر جب آپ نے مسجد سے نکلنے کا ارادہ کیا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ میں تجھ کو قرآن شریف کی بڑی سورہ تعلیم کروں گا آپ نے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ یہی سبع المثانی اور قرآن عظیم ہے جو مجھے دی گئی ہیں۔ (بخاری)

حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو المنذر تم جانتے ہو کہ تمہارے پاس اللہ کی کتاب میں سے کون سی آیت بڑی عظیم الشان ہے۔ میں نے عرض کیا، اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ یعنی آیت الکرسی۔ حضورؐ نے میرے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا اے ابو المنذر تیرا علم تجھ کو مبارک ہو۔ (مسلم)

حضرت ابو مسعود بدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں رات کو پڑھ لیا کرے تو اس کے لئے کافی ہو جائیں گی۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی زکوٰۃ (یعنی صدقۂ فطر) وغیرہ کی حفاظت میرے سپرد کی پس ایک شخص آیا اور غلہ بھر کے لیجانے لگا میں نے اس کو پکڑ لیا، اور کہا کہ میں تجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا۔ پوری حدیث ذکر کی پھر کہا، میں نے عرض کیا کہ اس نے بتایا کہ جب بستر پر سونے کے ارادہ سے لیٹو تو آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری نگہبانی فرمائے گا اور صبح تک شیطان کا تمہارے پاس گزر نہ ہوگا، آپ نے فرمایا وہ ہے تو جھوٹا، مگر بات اس نے سچی کہی وہ شیطان ہے۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔ (مسلم)

حضرت نواس بن سمعان کلابیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن قرآن مجید اور اس پر عمل کرنے والوں کو لایا جائے گا سورۂ بقرہ اور آل عمران آگے آگے ہوں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سورتوں کی تین مثالیں بیان کی ہیں جن کو میں ابھی تک نہیں بھولا، آپ نے فرمایا وہ دونوں سورتیں بادل کے دو ٹکڑے ہوں گے یا دو گہرے سائبان ہوں گے۔ ان دونوں کے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوگا، یا وہ پرندوں کے دو جھنڈوں کے مانند ہوں گی جو ایک لائن سے اڑ رہے ہوں، یہ دونوں سورتیں اپنے پڑھنے والوں کی سفارش کریں گی۔ (مسلم)

حضرت ابو امامہ باہلیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا قرآن پڑھا کرو، قرآن قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لئے سفارشی بن کر آئیگا تم دونوں بابرکت سورتوں بقرہ اور سورۂ آل عمران کو پڑھو، وہ دونوں قیامت کے دن دو بادلوں کے مانند آئیں گی، یا چڑیوں کے دو جھنڈوں کے مانند آئیں گی، اور اپنے پڑھنے والوں کی سفارش کریں گی، سورۂ بقرہ پڑھا کرو کہ اس کا پڑھنا برکت ہے اور چھوڑ دینا باعثِ افسوس و ندامت، کاہل لوگ اس پر نہیں عمل کر سکتے۔ (مسلم)

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے سورہ کہف کی اول کی دس آیتیں یاد کرلیں، وہ دجال کے فتنوں سے محفوظ رہے گا، ایک روایت میں ہے کہ سورۂ کہف کی آخر کی آیتیں یاد کرلیں۔ (رواہ مسلم)

حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص سورۂ کہف پڑھ رہا تھا، اس کے بغل میں ایک گھوڑا دوہری رسیوں سے بندھا ہوا تھا، اس پر بادل سایہ فگن ہو گئے اور اس سے

(بقیہ صفحہ ۹ پر)

شیخ عبد اللہ علی المحمود رحمہ اللہ کے جوار رحمت میں

شمس الحق ندوی

دار العلوم سے گہرا تعلق رکھنے والے مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے فدائی امارات متحدہ کی مخلص ترین وہر دلعزیز شخصیت شیخ عبد اللہ علی المحمود کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وہ پہلی مرتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء ۱۹۶۲ء میں تشریف لائے اس کے بعد تو تھوڑے وقفہ سے برابر آتے رہے۔ ندوۃ العلماء کے نصاب تعلیم، اس کے طریق تعلیم و تربیت سے ان کو بہت مناسبت وخوشی تھی۔ ندوۃ العلماء کی تمام سرگرمیوں سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے، مولانا سید ابو الحسن علی ندوی سے تو ان کو اتنی محبت تھی کہ اپنی بعض نجی مجلسوں میں فرمایا کرتے کہ دنیا میں جن دو شخصیتوں سے مجھے پیار و محبت ہے ان میں سے ایک شیخ ندوی ہیں۔

شیخ کے والد جواہرات کی تجارت کیا کرتے تھے اور بڑے مخیر اور دین کا درد رکھنے والے تھے، دار العلوم ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ میں شیخ نے سنایا کہ اس وقت جب شارقہ بہت پس ماندہ تھا نہ اقتصادی اعتبار سے اس کی کوئی حیثیت تھی نہ علم و ثقافت کے اعتبار سے۔ اس وقت میرے والد مسعود طلبہ کو اپنے ذاتی خرچ سے باہر ازہر وغیرہ بھیجا کرتے تھے، اور حاجت مندوں کی اعانت فرماتے تھے۔ بالکل اس طرح کہ لا یعلم شمالہٗ ما ینفق یمینہ بہت خفیہ اور راز دارانہ طور پر دکھاوے اور مظاہرہ کا نام نہیں۔ والد کی اس صفت کا اثر خود شیخ پر بہت تھا۔ شیخ الولد سرٌ لأبیہ کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ دنیائے جہاں میں جہاں کہیں بھی کوئی کار خیر ہو رہا ہو شیخ اس میں پورا تعاون فرماتے، اہل خیر کو متوجہ کرتے، حکام شارقہ سے ملاتے اور ان کو اعانت پر آمادہ کرتے اور حکام کے دل میں شیخ کا اتنا احترام تھا کہ شیخ کے توجہ دلانے پر ان کو ناگواری تو کیا ہوتی وہ اس پر فخر محسوس کرتے تھے، اور بقول شیخ عبد البدیع صقر جو شیخ کو بہت قریب سے جانتے ہیں، حکام ان پر اتنا اعتماد کرتے تھے کہ بعض وقت مشورہ کے لئے شیخ کے گھر حاضر ہو جاتے اور اگر وہ شیخ کو کبھی کوئی پیش کش کرتے تو شیخ یہ کہتے ہوئے معذرت کر دیتے کہ آپ ہماری حق گوئی کو برداشت کر لیں یہی بڑا نذرانہ ہے۔ شیخ کی مالی حالت کوئی بہت غیر معمولی نہیں تھی لیکن دریا دلی اور سخاوت کا یہ عالم تھا کہ ان کا گھر بیرونی مہمانوں سے بہت کم خالی رہتا تھا لوگ ملازمت و کاروبار کی فکر میں آتے اور دو دو مہینہ شیخ کے یہاں قیام کرتے تھے اور شیخ کو ذرا بھی ناگواری نہ ہوتی پوری بشاشت وخوش دلی کے ساتھ ان کو رکھتے تھے بلکہ اکثر ایسا ہوتا کہ شیخ سفر پر روانہ ہو جاتے اور مہمانوں کے لئے گھر میں خصوصی ہدایات دے جاتے، شیخ پیرانہ سالی اور ضعف کے باوجود اکثر سفر میں ہوتے تھے اور یہ اسفار اکثر کسی دینی ہی مہم کے لئے ہوا کرتے تھے کسی کانفرنس میں شریک ہونا ہے یا اور کوئی خاص دینی غرض ہے یعنی قابل استفادہ شخصیتوں سے ملنا اور فائدہ اٹھانا حتی المقدور ان کے کاموں میں حصہ لینے کی فکر کرنا۔

چند سالوں سے شیخ کی صحت بہت کمزور تھی اس کے باوجود سفر سے نہ گھبراتے اور تنہا سفر کرتے، شیخ ضعف و نقاہت کے باوجود حالت قیام میں مسجد اگرچہ گھر سے کچھ فاصلہ پر تھی نماز با جماعت ادا فرماتے۔

استاذ محترم مولانا سعید الرحمٰن صاحب ندوی کے ساتھ ایک سفر میں مجھے شیخ کے یہاں ایک ہفتہ ٹھہرنے کا موقع ملا اکثر شیخ کے ساتھ نکلنا ہوتا میں نے اٹھتے بیٹھتے، ملتے ملاتے زینوں پر اترتے چڑھتے غرض یہ کہ ہر موقع پر مسنون دعاؤں کا اتنا اہتمام کرتے کسی کو نہیں دیکھا اور شیخ سب دعائیں اکثر بالجہر پڑھتے اس سے شاید دوسروں کو تعلیم و تذکیر مقصود ہوتی اللہ تعالیٰ شیخ کو غریق رحمت کرے جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کے انتقال سے پورے عالم اسلام اور خصوصاً امارات میں جو خلا پیدا ہوا ہے اس کو پُر فرمائے اور ان کی جگہ کسی اور اپنے مخلص بندے کو مقرر فرما دے۔ شیخ کا معمول تھا کہ جو بھی خلاف شرع چیز یا دیکھتے حتی الامکان حکام کو ان کی طرف متوجہ فرماتے۔

قطعۂ تاریخ وفات

مولانا سید محمد ثانی حسنی نور اللہ مرقدہٗ

بروزِ مرگ مولانای ثانی — اسف خوردہ ہمہ عامی و عارف
روانش شاد! مرد صالحی بود — درونش پاک و پاکیزہ عواطف
پی دنیا، گہی نفروخت دین را — نہادہ ارج تا لدرا بہ طارف
بتن میداشت بی پیرایہ پوشاک — مزیّن روح او باصد معارف
بگفتارش ہمہ خرسند و شاداں — بکردارش ہمہ کس بود واصف
سلوکش باہمہ بیگانہ و خویش — زرازِ پاکی دل بود کاشف
نہ از دنیا بریدہ از رہِ شید — نہ پیوستہ بحق چوں غیر عارف
نداند غیرِ رب، در راہِ عرفاں — گذشتہ بود از چنداں مواقف
دلم درخواست، تا سال وفاتش — شود مضبوط و مثبت در صحایف

چو پی بردہ بہ ایں اندیشۂ من
"بسوی خلد رفتہ" گفت ہاتف
۱۴۰۲ھ

سرودہ:
رئیس نعمانی

ہائے داغ فراق

۱۴۰۲ھ

تاریخ انتقال پر ملال مولانا محمد ثانی برّد اللہ مضجعہٗ

آہ وہ عالم و فاضل وہ ادیب کامل — متقی عابد و زاہد وہ محمد ثانی
پیکر صدق و صفا اور وہ تصویر وفا — اپنے اوصاف حمیدہ میں جو تھے لاثانی
کس قدر جلد جدا ہو گئے ہم سے صد حیف — میرے اللہ یہ انساں بھی ہے کیسا فانی

اے ذکا آئی ندا غیب سے تاریخ وفات
دل راقم پہ یہ آلام ہے داغِ ثانی
۱۹۸۲ء

ولہٗ ایضاً

وہ پاک دل محمد ثانی کی ہائے رحلت — سینوں میں سوز فرقت ہر دل میں داغ حسرت
وہ عزلتِ یاد مولیٰ ہوئے جب یہاں سے رخصت — تو ندائے غیب آئی ہوئے اب غریق رحمت
۱۹۸۲ء

نذرانۂ عقیدت: محمد ادریس ذکا گڑھا ہولوی

دعوت اور حکمت دعوت

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

[یہ تقریر ۲ر نومبر ۱۹۸۱ء مطابق ۴ر محرم الحرام ۱۴۰۲ھ بوقت صبح دس بجے جمعیۃ اہل حدیث جموں و کشمیر کے صدر دفتر ہال میں کی گئی، حاضرین میں ایک بڑی تعداد علماء، اساتذہ اور اہل علم و فکر کی تھی۔]

خطبۂ مسنونہ کے بعد!

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ ۝ (النحل - ۱۲۵)

آپ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف بلایئے حکمت سے اور اچھی نصیحت سے اور ان کے ساتھ بحث کیجئے پسندیدہ طریقہ سے بیشک آپ کا پروردگار (ہی) خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہی ہدایت پائے ہوؤں کو (بھی) خوب جانتا ہے۔

حضرات! اللہ رب العزت کا یہ خطاب اپنے آخری نبی (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے آخری امت کے لئے ہے کیونکہ اس امت کے بعد اور کوئی امت نہیں، یہ سورہ نحل کے آخری رکوع کی آیت ہے جس میں دعوت و ارشاد کے طریقہ کو بیان کیا گیا ہے فرمان الٰہی ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ۔ (النحل - ۱۲۵)

آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم و حکمت اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ بلایئے۔

حکمت سے مراد ہے عقل، دانائی، سلیقہ، حسن تدبیر، سچی اور صحیح بات کو واضح کر کے دل میں اتارنے کا طریقہ، اس طرح کہ مداہنت یا موقعہ پرستی کا شائبہ نہ ہونے پائے، سیاست کا اس میں دخل نہ ہو، سیاست الگ چیز ہے، اور حکمت و موعظت الگ ہے۔

اپنے عہد میں خدا کے محبوب ترین بندہ موسیٰ علیہ السلام کو اُس عہد کے خدا کے مغضوب ترین بندہ ظالم وجفا کار فرعون کے پاس جانے اور دعوت دینے کا حکم ملتا ہے لیکن سلیقہ اور نرمی سے بات کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔

اِذْھَبَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ طَغٰی ۝ (طٰہٰ - ۴۳)

دونوں فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت نکل چکا ہے۔

اس سرکش اور طاغی کے ساتھ بھی دعوت کا کیا طریقہ اختیار کرنا ہے؟

فَقُوْلَا لَہٗ قَوْلًا لَّیِّنًا۔ (طٰہٰ - ۴۴)

پھر اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا بات پکی اور سچی ہو، مگر انداز تکلم سلیقہ، نرمی، خوش آہنگی کا ہو:۔

لَعَلَّہٗ یَتَذَکَّرُ اَوْ یَخْشٰی ۝ (طٰہٰ - ۴۴)

شاید وہ (برغبت) نصیحت قبول کرے یا (عذاب الٰہی سے) ڈر جائے۔

تاکہ وہ نصیحت پکڑے، یا سلیقہ کی بات سن کر اس کے دل میں خشیت وخوف پیدا ہو جائے، اور اپنے کفر و طغیان، اور شر و ظلم سے باز آئے، اگر بھلی بات کے کہنے کا انداز بری طرح ہو تو وہ کار آمد ثابت نہیں ہوتا، شاعر نے سچ کہا ہے۔ ع

کہتے ہیں وہ بھلے کی ولیکن بُری طرح

بھلی بات کو بھلی طرح کہنا ہی حسن سلیقہ اور حکمت ہے، اگر مخاطب سے سوال و جواب بھی کرنا پڑے تو اس میں بھی سلیقہ ہونا چاہیئے، مناظرہ اور مجادلہ کے موقعہ پر بھی اس کی ہدایت ہوئی:

وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ۔ (النحل - ۱۲۵)

اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے۔

تاکہ سننے والے اور دیکھنے والے داعی کے طریقۂ استدلال سے متاثر ہوں، چاہے مخاطب پر اثر نہ ہو، اگر طریقۂ بحث و مجادلہ احسن طریقہ پر ہوگا تو مخاطب عقل سلیم اور نیک فطرت کی بناء پر خود متاثر ہوگا، اگر ایسا نہ ہوا تو بھی حاضرین و سامعین پر حسن مجادلہ کا ضرور اثر پڑے گا، یہی حقیقت آیت:۔

اِنَّ اِبْرٰھِیْمَ کَانَ اُمَّۃً قَانِتًا لِّلّٰہِ حَنِیْفًا وَلَمْ یَکُ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ (النحل - ۱۲۰)

بیشک ابراہیم بڑے مقتدا تھے اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے بالکل ایک طرف کے ہو رہے تھے اور وہ شرک کرنے والوں میں نہ تھے۔

سے بھی واضح ہوتی ہے، ان کو اس طریقۂ استدلال، سلیقہ، حکمت و موعظت، اور احسن مجادلہ کے باوجود:۔

حَنِیْفًا مُّسْلِمًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ (آل عمران - ۶۷)

طریق مستقیم والے (یعنی) صاحب اسلام تھے اور مشرکین میں سے (بھی) نہ تھے۔

کا خطاب عطا فرمایا گیا، اس لئے کہ ان کی دعوت میں حکمت تھی، مداہنت نہ تھی، لینت تھی، سیاست نہ تھی، لہٰذا ایک مومن مسلمان کو بھی یہ طرز تبلیغ اختیار کرنا لازم ہے، عقائد کی اصلاح کے لئے بھی "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ" کا طریق کار ہی مفید ہے، بات کتنی ہی ضروری اور لازمی ہو، داعی کے سامنے مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ مریض کا علاج کرنا ہے، اس میں پیار، نرمی، اور محبت ہو، سختی، درشتی، تیزی و تندی کی وجہ سے مریض تجربہ کار مشہور ڈاکٹر اور حکیم کے پاس جانے سے بھی ڈرتا ہے، علاج معالجہ کی بات ہی الگ ہے۔ امت کو پیغام ملتا ہے:۔

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ (التوبہ - ۱۲۸)

(اے لوگو) تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس (البشر) سے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گذرتی ہے جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں (یہ حالت تو سب کے ساتھ ہے بالخصوص) ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق (اور) مہربان ہیں۔

اس پر عمل کرنا آپ کے ایک امتی پر بھی لازم ہے، وہ دوسرے انسان کو حکمت عملی اور محبت اور پیار سے دعوت دے کر سلیقہ سے سمجھا کر عقائد کی اصلاح کے لئے مائل و راغب کرے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فکر تبلیغ اور دل سوزی کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ○ (الکہف - ۶)	(اے پیغمبر!) تمہاری حالت تو ایسی ہو رہی ہے کہ جب لوگ یہ (واضح) بات بھی نہ مانیں تو عجب نہیں ان (کی ہدایت) کے پیچھے مارے افسوس کے اپنی جان ہلاکت میں ڈال دو (حالانکہ یہ ماننے والے نہیں)۔
لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ (الشعراء - ۳)	کیا آپ اپنی ذات کو ان کے ایمان لانے کی خاطر ہلاکت میں ڈال دیں گے؟

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور دردِ دلی تھا کہ ایک ایک آدمی اپنے مالک مختار کے آستانہ پر سر جھکائے اور کوئی اس در سے محروم نہ جائے آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے فرمایا کہ:-

لان یھدی اللّٰہ بک رجلا خیر لک من حمر النعم۔	سرخ اونٹوں سے بھی کہیں بہتر ہے کہ ایک آدمی کو تمہارے ذریعہ سے ہدایت ہو جائے[1]

مبلغ کو بھی ایک دردمند اور دانشمند ڈاکٹر اور معالج کی طرح مریض کا خیر اندیش بن کر علاج کرنا ہے، حکیم یا ڈاکٹر کا مقصد مریض کو مارنا نہ ہو بلکہ صحت یاب کرنا ہونا چاہئے، عقیدۂ توحید کی بات تو بالکل صاف کہی جائے، اور شرک کی تردید بھی ہو، لیکن دوا کی مناسب خوراک ہو، اگر دوا زیادہ تیز یا مقدار میں زیادہ ہو گی یا یکدم کھلا دی جائے گی، یا قوت برداشت سے زیادہ ہو گی تو مریض کا کام تمام ہو جائے گا، چونکہ بات واقعات سے مربوط ہو کر زیادہ خوبی کے ساتھ سمجھ میں آتی ہے، اس لئے دو ایک واقعات سنئے:-

دیکھئے اللہ کے بندے جن کے دلوں میں عشق الٰہی کی آگ لگی تھی، وہ بھی حکمت سے کس طرح کام کرتے رہے ہیں، شیخ جمال الدین ایرانی کہیں جا رہے تھے، تاتاریوں نے اسلامی سلطنتوں کو تاراج کیا تھا، اتفاق سے اسی روز ایک تاتاری شہزادہ تغلق تیمور شکار کھیلنے نکلا ہوا تھا، اور یہ تاتاری شہزادہ چغتائی شاخ کا ولی عہد تھا، جو ایران پر حکومت کر رہی تھی، شہزادہ کی شکارگاہ میں جب شیخ جمال الدین اتفاقاً داخل ہو گئے اور پہرہ دار ان کو پکڑ کر شہزادہ کے سامنے لائے تو شہزادہ نے ایک مسلمان فقیر صورت دیکھ کر اور وہ بھی ایرانی کو دیکھ کر (جس کو تاتاری اس وقت بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے) بدشگونی لی، اور غصہ سے پوچھا، بتاؤ میرا یہ کتا اچھا ہے، یا تم؟ شہزادہ نے غیظ و غضب سے بات کی تھی، شیخ جمال الدین نے سنجیدہ انداز میں جواب دیا، انھوں نے فرمایا: اس کا قطعی فیصلہ کرنے کا یہ موقعہ نہیں، شہزادہ بولا پھر اس کا کونسا موقعہ ہو گا؟ فرمایا وہ میرے خاتمہ یعنی وفات کے وقت ہی واضح ہو گا، اگر میں کائنات کے پیدا کرنے والے مالک و خلاق کی صحیح معرفت اور اقرار پر فوت ہوا تو میں آپ کے کتے سے بہتر ثابت ہوں گا، بصورت دیگر یہ کتا ہی مجھ سے بہتر اور خوش قسمت ہو گا، ان کے اس جواب نے شہزادہ کے دل پر ایک چوٹ لگائی، شہزادہ نے شیخ سے کہا، جب تم سنو کہ میں تخت نشین ہوا ہوں تو اس وقت مجھ سے آکر ملنا، شیخ جمال الدین کا شہزادہ کی ولی عہدی ہی کے زمانہ میں دنیا سے کوچ کرنے کا وقت آگیا، آپ نے اپنے بیٹے کو بلا کر کہا کہ میں دنیا سے رخصت ہوتا ہوں، جو کام میرے ذمہ تھا وہ ادھورا رہا شاید تم اس کو پورا کر سکو، اور یہ تمام واقعہ بیان کیا۔

[1] سرخ اونٹ عرب میں بڑی دولت اور نایاب چیز سمجھی جاتی تھی۔

شیخ جمال الدین کی وفات کے بعد جب ولی عہد کی تاج پوشی ہوئی تو پھر شیخ کے فرزند اپنے والد بزرگوار کی وصیت پورا کرنے کی خاطر روانہ ہوئے، شاہی محل کے دروازہ پر سپاہیوں نے ٹوکا اور دروازہ سے ہٹایا، آپ نے ایک درخت کے نیچے مصلی بچھایا، اور علی الصباح اذان دی، جس سے بادشاہ کی آنکھ کھل گئی، تحقیقات پر معلوم ہوا کہ کوئی مسکین صورت آدمی باہر بیٹھا ہے، اس نے ہی یہ آواز لگائی ہے جس سے بادشاہ کی نیند میں خلل پڑا، بادشاہ نے غصہ ہو کر اس کو گرفتار کر کے لانے کا حکم صادر کیا، چنانچہ ان کو پکڑ کر سپاہی بادشاہ کے پاس لائے، پوچھنے پر انھوں نے اپنے والد کا سلام پہونچا کر بتایا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا، اور اس سوال کا جواب مل گیا جو آپ نے کیا تھا، اور شکار کا واقعہ جو ولی عہدی کے زمانہ میں پیش آیا تھا یاد دلایا، بادشاہ کے دل پر اب دوسرا چرکا لگا، اور فوراً اپنے اسلام لانے کا اقرار کر کے اپنے وزیر سلطنت کو بلایا، اور اسے یہ قصہ کہا، وزیر نے جواب دیا کہ میں تو پہلے ہی مسلمان ہو چکا ہوں، مگر میں نے اس کو پوشیدہ رکھا تھا، اس طرح ایران کی یہ چغتائی تاتاری شاخ تمام اہل کاروں، فوج سمیت حلقہ بگوش اسلام ہوئی[1]، اس طرح ایک اللہ والے نے ایرانی تاتاری سلطنت میں اسلام کو

[1] اس واقعہ کو ایرانی مورخین اور پروفیسر آرنلڈ نے اپنی کتاب (PREACHING OF ISLAM) "دعوت اسلام" میں الفاظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ بیان کیا ہے، مقرر نے اپنی کتاب "تاریخ دعوت و عزیمت" جلد اول میں اس کو نقل کیا ہے، نیز ملاحظہ ہو "تاریخ رشیدی" از مرزا محمد حیدر

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ العالی کی تازہ تصانیف

تحفۂ کشمیر

مولانا ندوی کے حالیہ دورۂ کشمیر ماہ اکتوبر۔ نومبر ۱۹۸۰ء کے موقع پر کی گئیں سات اہم تقریروں کا مجموعہ جن میں وہ اہم اصولی اور بنیادی باتیں اور حقائق و مضامین آگئے ہیں جو نہ صرف اہل کشمیر بلکہ بیشتر اسلامی ممالک اور اسلامی جماعتوں، تنظیموں اور ان کے قائدین اور تمام مسلم اہل فکر و نظر کے لئے لائق توجہ اور مستحق غور و فکر ہیں۔

معیاری کتابت، آفسٹ طباعت، قیمت علاوہ محصول ڈاک آٹھ روپے

اسلامی مزاج و ماحول کی تشکیل کی حفاظت میں

حدیث کا بنیادی کردار

حدیث کی عملی قیمت و افادیت کیا ہے؟
حدیث ایک مسلمان کی عملی زندگی کے لئے کیوں ضروری ہے؟
حدیث کے نہ ہونے یا اس سے صرف نظر کر لینے سے ہماری اجتماعی زندگی اور مسلم معاشرہ میں کیا خلل ہوتا اور کیا نقص لازم آتا ہے؟

ان سوالات کے جوابات کے لئے مولانا ندوی کی اس نئی کتاب کا مطالعہ کیجئے

اردو ایڈیشن ۵ روپے، عربی ایڈیشن ۴ روپے، انگریزی ایڈیشن زیر طبع

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ ندوہ، لکھنؤ

کیسے پھیلایا کہ ساری کی ساری تاتاری قوم مسلمان ہو گئی۔

ایسے ہی ایک دوسرا واقعہ ہے کہ مولانا یحیٰی علی صاحب جو حضرت مولانا ولایت علی صاحب صادقپوری[1] کے تربیت یافتہ تھے، اور ان کو مجاہدین سرحد کی مدد کرنے کے الزام میں (جنھوں نے حضرت سید صاحب کے بعد ان کا کام جاری رکھا تھا) ۱۸۶۴ء میں پھانسی کی سزا ہوئی تھی، وہ انبالہ جیل کی ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں محبوس تھے جس میں ہوا اور روشنی کے لئے کوئی راستہ نہ تھا، سخت گرمی کے دن تھے، جیل افیسر معائنہ کے لئے آیا تو اس کو خیال ہوا کہ ایسے حال میں تو یہ مر جائیں گے، مقدمہ ابھی باقی ہے، اس نے حکم دیا کہ دروازہ کھلا رہے، اور سنتری پہرہ پر کھڑے رہیں، یہ سنتری بالعموم سکھ یا گورکھا ہوتے تھے، وہ جہاں اپنی ڈیوٹی سنبھالتے، آپ ان کو مخاطب کر کے حضرت یوسفؑ کا وعظ توحید سنانے لگتے:-

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (یوسف - ۳۹ - ۴۰)	اے قیدخانہ کے رفیقو! متفرق معبود اچھے یا ایک معبود برحق جو سب سے زبردست ہے وہ اچھا، تم لوگ تو خدا کو چھوڑ کر صرف چند بے حقیقت ناموں کی عبادت کرتے ہو، جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے (آپ ہی) ٹھہرا لیا ہے، خدا تعالےٰ نے تو ان (کے معبود ہونے) کی کوئی دلیل (عقلی یا نقلی) بھیجی نہیں، (اور) حکم دینے کا اختیار (صرف) خدا ہی کا ہے (اور) اس نے حکم دیا ہے کہ بجز اس کے اور کسی کی عبادت نہ کرو یہی (توحید) کا سیدھا طریقہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

وہ ان آیات کی تلاوت اور تشریح فرماتے یہ سن کر ان پہرہ داروں کے آنسو نکل پڑتے اور ان پر سناٹا چھا جاتا، اور جب ان کا پہرہ بدلا جاتا تو وہ خوشامد کرتے کہ ان کو یہیں رہنے دیا جائے، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان میں کتنے بندگان خدا کے دل میں توحید کا بیج پڑ گیا اور ان کو ایمان نصیب ہوا۔

اسی طرح مولوی محمد جعفر صاحب کو جب "کالا پانی" کی سزا ہوئی تو کوئی غم و حزن کے چہرہ پر نمودار نہ تھا، انگریز تماشائیوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ انھوں نے فرمایا یہ موت نہیں شہادت ہے، جو ایک ایسی نعمت ہے، جس کے مقابلہ میں تمام دنیا کی سلطنت ہیچ ہے، وہاں بھی وہ تبلیغ دین حکمت سے انجام دیتے رہے، جیل اور پورٹ بلیر میں بھی وہ اور ان کے رفقائے کرام توحید کی دعوت اور تبلیغ کرتے رہے، اور بہت سے بندگانِ خدا نے ہدایت پائی، مولانا یحیٰی علی صاحبؒ کے پاس ایک رات ایک بدکردار بدنام قیدی کا بستر آگیا، جب اس نے مولانا کی عبادت گذاری، اور دعائیں اور آہ و زاری دیکھی تو وہ بھی تائب ہوا، اور تہجد گذار بن گیا، اسی طرح جیل میں بیسیوں بندگانِ خدا کو ہدایت ہوئی

[1] مولانا ولایت علی صاحب حضرت سید احمد شہید کے خلفائے کبار میں تھے۔

اور ان کی زندگی بدل گئی۔

اس طرح اللہ کے بندوں میں جب دل کا سوز، اور دماغ کی روشنی ہو، اور دونوں مل کر کام کریں تو پھر نتیجہ واضح ہے، اگر ایک شکاری جانور کو شکار کرنے کے لئے حکمت استعمال کرتا ہے، تو ایک مبلغ اپنے مقدس کام میں حکمت سے کام کیوں نہ لے جو اس سے بہتر مقصد رکھتا ہے، شرک سب سے بڑا مہلک مرض ہے، اس کا علاج بھی حکمت سے کرنا لازم ہے، لہجہ نرم ہو مگر بات سچی ہو تاکہ سننے والا مانوس ہو تو علاج کا اثر جلد ہو گا، شرک ہی کے متعلق اعلان ہے:-

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ (النساء - ۱۱۶)	بیشک اللہ تعالےٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں جس کے لئے منظور ہو گا وہ گناہ بخش دے گا۔

توہم پرستی اور مخلوق پرستی سے نکالنے کے لئے جتنی نرمی برتی جائے مناسب ہے، ایک پورے شہر پورے ملک کو حکمت ہی سے خدا کے صحیح راستہ پر لایا جا سکتا ہے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن جب سنا کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو دیکھ کر کہا:-

الیوم یوم الملحمۃ الیوم تستحل الکعبۃ الیوم اذل اللہ قریشا	آج رن کا دن ہے آج کعبہ میں آزادی کے ساتھ عمل کیا جائے گا، آج اللہ نے قریش کو ذلیل کیا ہے۔

تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بدلے "الیوم یوم المرحمۃ الیوم یعز اللہ قریشا ویعظم اللہ الکعبۃ" (آج رحمت عام کا دن ہے، آج اللہ قریش کو عزت دے گا، آج کعبہ کی عزت بڑھائی جائے گی) کا اعلان فرمایا، اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے جھنڈا لے کر ان کے بیٹے کو دیا، جھنڈا پکڑنے میں باپ کی جگہ بیٹے کا ہاتھ آیا، تو اس حکمت عملی نے ابوسفیان کے دل میں تلاطم پیدا کر دیا، آپ نے ان کے گھر کو جب دارالامان کا درجہ دیا، تو ابوسفیان کی دشمنی محبت اور دوستی سے بدل گئی، اب حکمت کا اندازہ کیجئے،

ابوسفیان کو جو یہ اعزاز بخشا گیا تو ان کی نفرت کی آگ ٹھنڈی ہوئی، اور دل کے دروازے کھلے، تاریخ و تذکرہ کی کتابیں بتاتی ہیں کہ ہمارے بزرگ جس راستے سے گذرے توحید کی تبلیغ اور بدعات و شرکیات سے پرہیز کا وعظ کہتے ہوئے گزرے، جو بھی قافلہ ہمارا جہاں سے گذرا وہاں توحید کی ہوا چلی، حضرت سید علی ہمدانی، سید عبدالرحمٰن بلبل شاہ وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ کشمیر کی گل پوش و گل پاش وادی یا چشموں کی سیرابی کا نظارہ کرنے نہیں آئے، بلکہ کوہستانوں، لق و دق بیابانوں، خارزار وادیوں کو قطع کرکے کلمۂ حق کی اشاعت و تبلیغ کی خاطر آئے، جس کے نتیجہ میں آپ کشمیر میں لاکھوں کی تعداد میں لوگوں کو توحید کا حلقہ بگوش پاتے ہیں، میں نے یہی بات ذرا تفصیل سے جامع مسجد کی تقریر میں کہی تھی، اخباروں میں شائع ہوا کہ میں نے سارے کشمیریوں کو مشرک بتایا، بھلا مجھے بلا تحقیق اس کا کیا حق تھا، اور میں مسلمانوں کو بیک زبان کیسے کافر کہہ سکتا ہوں، میری پوری تقریر اس مجموعہ میں شامل ہے۔

توحید کی دعوت میں اُنس پیدا کیا جائے، اختلافی مسائل کو درمیان میں نہ لایا جائے، اختلافی مسائل میں ترجیح الگ بات ہے، علمی اختلاف کی گنجائش بہرحال ہے، وہ بعد میں ہوگا، پہلے توحید کا مضمون لانا ہے، آستانۂ الٰہی پر سر جھکانا ہے، علمی اختلاف کا موقعہ اس کے بعد ہے، بزرگوں کا کام توحید پھیلانا اور شرک و بدعت کو دور کرنا ہے، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے ایک بڑے شیخ طریقت تھے جو مسلک حنفی پر عمل کرتے تھے، ایک اہل حدیث عالم ان کے مرید ہوئے اور رفع یدین چھوڑ دی، مولانا کو خبر ہوئی تو فرمایا، اگر آپ کی تحقیق رفع یدین سے متعلق بدل گئی ہے تو الگ بات ہے، لیکن اگر میری وجہ سے چھوڑ دی ہے، تو میں سنت چھوڑنے کے لئے نہیں کہہ سکتا ہوں۔

آپ کو دیکھنا ہے کہ اللہ کی مخلوق کہاں جارہی ہے؟ اور سب سے بڑی بات قرآن و حدیث کی تبلیغ ہے، یہی چیز دعوت و تبلیغ کی اصل و اساس ہونی چاہئے، مسلکی خصوصیات اس کے بعد آتے ہیں، مسلمان تعداد میں بہت بڑھ گئے ہیں لیکن جذبۂ دین وہ نہ رہا جو پہلے تھا، عامۃ المسلمین کے لئے کوئی خطرہ ہو تو اس کے لئے سب سینہ سپر ہو جائیں، اس بات کا خیال رہے کہ کسی کی دل آزاری نہ کی جائے، ہمیشہ وسعت قلبی کا ثبوت دیا جائے، نفرت نہ پھیلائی جائے۔

صادقپوری اور غزنوی خاندان کے حضرات اہل حدیث علماء تھے، ان میں مولانا ولایت علی، مولانا احمد اللہ، مولانا یحییٰ علی، مولانا عبدالرحیم، مولانا سید عبداللہ غزنوی، مولانا عبدالجبار غزنوی جیسی دیندار اور خدا دوست ہستیاں تھیں، کہ ان کے چہروں سے نور ٹپکتا تھا، اور ان کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا، انھوں نے ہندوستان بھر میں کس طرح موعظت و حکمت یا بضرورت استدلال و اثبات سے لوگوں کے عقائد کی تصحیح کی۔

امرتسر میں ندوہ کا جلسہ تھا جس میں ہندوستان کے چوٹی کے علماء شریک تھے، علامہ شبلیؒ کا زمانہ تھا، صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی صاحب کی زبانی میں نے سنا ہے کہ صبح مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی کا درس قرآن ہوتا تھا، غالباً فارسی میں درس دیتے تھے، مولانا شبلی ایک مرتبہ شریک ہوئے تو مولانا شروانی سے کہا، جس وقت مولانا عبدالجبار صاحب اللہ کا نام لیتے تھے تو روح و جسم میں ایک بجلی سی دوڑ جاتی تھی، اور دل چاہتا تھا، کہ سر ان کے قدموں پر رکھ دیا جائے۔

ہندوستان پر خدا کی ایک بڑی رحمت شاہ ولی اللہؒ کا خاندان تھا، جس نے قرآن و سنت کو رواج دیا، اور شرک و بدعت کا قلع قمع کیا، ترجمۂ قرآن کرنے پر ان کی سخت مخالفت کی گئی، مگر وہ اللہ کے بندے کب دعوت دین سے ہچکچانے والے تھے؟ اس خاندان میں شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین، شاہ اسماعیل، شاہ اسحاق جیسے علمائے ربانیین اور مجاہدین پیدا ہوئے۔

مولانا اسماعیل شہیدؒ کے صرف ایک وعظ سے ایک جلسہ میں بیسیوں طوائف اور پیشہ ور عورتیں نیکوکار اور پارسا بن گئیں، تفصیل میری کتاب "کاروان ایمان و عزیمت" میں دیکھئے۔

تقریر کے اختتام پر جمعیت کے ناظم تبلیغ صوفی محمد مسلم صاحب نے اقبال کا یہ شعر پڑھا اسی پر یہ تقریر ختم کی جاتی ہے کہ اس میں تقریر کی روح آگئی ہے۔

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لئے

لہ ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۸ صـ

بقیہ ص ۱۵

نتیجے پر پہنچا ہے۔ وہ کہتا ہے، "کسی بھی ملت یا سماج کے لئے بہتر سے بہتر سیاسی تدبر، انسانی روح کے لئے ربانی نجات کا بدل نہیں ہو سکتا۔ حکومتوں کے درمیان جنگ و جدل یا مختلف طبقات کے مابین تنازعات کے اصل اسباب روحانی امراض کے سوا کچھ نہ تھے۔ ایک زمانے سے تاریخ اور تجربات کا اثاثہ یہی ظاہر کرتے آئے ہیں کہ انسان کے مختلف ادارے انسانوں کو خسارے سے بچاتے ہیں سودمند ثابت نہیں ہوئے۔ اگر انسان کو تہذیب اور تمدن کی صحت مند تعمیر کے دشوار گزار مراحل سے گذر کر کامیاب ہونا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے تعلقات نہ صرف اس کی خود کی ذات کے ساتھ اور اس کے ساتھی بنی نوع انسان کے استوار ہوں بلکہ ان تماموں سے بڑھ کر اس خدائے برحق کے ساتھ بھی صرف جس کی ذات ہی اس کو خسارے سے بچا سکتی ہے استوار ہوں۔"

اس بحث کے بعد ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ انسانی وجود کا مسئلہ چاہے وہ وجودی غیر آہنگی کی وجہ سے ہو یا چاہے سماجی غیر آہنگی کی وجہ سے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس کا حل نہیں ہے۔ اس خالق کائنات نے اپنی ہر مخلوق کے پیدا کرنے وقت ہی اس کی ہدایت کا بھی اہتمام کیا ہے چاہے وہ ادنیٰ سے ادنیٰ مادی جوہر ہو چاہے شمس و قمر چاہے کہکشاں یا سحابی نجمی۔ چاہے یک خلیہ والا امیبا ہو چاہے حشرات الارض، چاہے اشرف المخلوقات انسان، ہر ایک کی ہدایت کا انتظام کیا گیا ہے۔ انسانی وجود کا مسئلہ اس کی وجودی یا سماجی غیر آہنگی میں نہیں بلکہ یہ مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ اپنے معبود حقیقی کے بتائے ہوئے صراط مستقیم سے منحرف ہوتا ہے۔ یہ بھی نہیں کہ انسان کا وجود کائنات میں بے معنی اور لغو ہے وہ تو ساری کائنات کا حاصل۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے انسان کو اس کرۂ ارض پر اپنا خلیفہ اور نائب بنا کر بھیجا ہے، اور جو بھی فلسفہ جو بھی نظریہ، جو بھی سماجی، معاشی، سیاسی نظام انسان کے اس منصب خلافت الٰہیہ سے انحراف کرے گا ناکامی، نامرادی، ہلاکت اور خسارہ اس کا نصیب ہوگا۔ انسان جب تک اپنے اس منصب کے تمام حقوق اور فرائض سے عہدہ برآ نہیں ہوتا خسارہ اٹھاتا رہا ہے اور اٹھاتا رہے گا۔

افسوس ہے کہ ہمارے جدید تعلیم یافتہ مسلم طبقے کا بیشتر حصہ ابھی تک یورپ کی ذہنی غلامی سے آزاد نہیں ہوا ہے خاص طور پر ہمارے اردو ادب اور نقاد مغربیت، اشتراکیت اور کمیونزم کے غلام بنے ہوئے ہیں اور مغربی ادب کی نقالی اور تقلید میں مست ہیں۔ انھوں نے اپنے گھر میں پڑے ہوئے خزانوں کو نہیں دیکھا۔ ہمارے اردو ادبا ہر مغربی خیال کو آمنا و صدقنا کا نعرہ لگاتے ہوئے سینے سے لگا رہے ہیں اور اپنی خودی کو، اپنی ذہنی آزادی کو، زندگی کی قدروں کو، اپنے ایمان کو غرض اپنی ساری متاع کو مغربی افکار کے ناپائیدار اصنام کے قدموں پر بھینٹ چڑھا رہے ہیں۔ ان کی دماغی صلاحیت مفلوج اور قوت روحانی مسلوب ہو گئی ہے۔

کاش کہ یہ لوگ اپنی زندگی کو انوار محمدیؐ سے روشن بناتے۔

دارالمصنفین (شبلی اکیڈمی) کا سہ روزہ بین الاقوامی سیمینار

"اسلام اور مستشرقین"

ایک تأثر

از: امجد علی غزنوی ایڈوکیٹ اعظم گڑھ

۲۱، ۲۲، ۲۳ فروری ۱۹۸۲ء کو "اسلام اور مستشرقین" کے موضوع پر دارالمصنفین (شبلی اکیڈمی) اعظم گڑھ میں ایک عظیم الشان بین الاقوامی سیمینار ہوا جو بہت کامیاب رہا۔

اعظم گڑھ ایک دور افتادہ اور پس ماندہ ضلع ہے، آمد و رفت کی دشواری کے علاوہ یہاں ضروریات زندگی کی عام چیزیں بھی آسانی سے دستیاب نہیں ہوتیں، لیکن علامہ شبلی کی یادگار اور عالمگیر شہرت کے حامل ادارہ دارالمصنفین کو دیکھنے کے لئے متعدد ملکوں کے فضلاء و علماء ہر قسم کی صعوبتیں برداشت کرکے یہاں تشریف لائے تھے جس کے لئے اعظم گڑھ کے لوگ ان تمام حضرات کے شکر گزار ہیں۔

دراصل اجلاس کے داعی اور دارالمصنفین کے روح رواں اور سرپرست حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مقبول و محبوب شخصیت کی کشش تھی جو عرب ممالک، افریقہ، جاپان، پاکستان اور ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے لوگوں کو کشاں کشاں اعظم گڑھ جیسے دور افتادہ خطہ میں کھینچ لائی تھی، مولانا کا غلغلہ عرب و عجم دونوں میں گونج رہا ہے، ان کو عربی اور اردو پر یکساں قدرت ہے اور ان کی متعدد کتابوں کے انگریزی ترجمے بھی ہو چکے ہیں، اس لئے ہندوستان و پاکستان ہی کی طرح عرب ممالک اور مغربی ملکوں میں بھی وہ پوری طرح روشناس ہیں اور ان کی تقریروں اور تحریروں سے اس وقت ساری دنیا فیضیاب ہو رہی ہے۔

یہ اجلاس حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے زیر نگرانی تین روز تک پوری کامیابی سے چلتا رہا، باہر کے علماء اور دانشوروں کے پرمغز اور عالمانہ مقالات و خطبے نہایت دلچسپی، شوق اور توجہ سے سنے گئے۔ قطر یونیورسٹی کے علامہ یوسف القرضاوی اور رابطہ عالم اسلامی کے نمائندے جناب عبدالصبور مرزوق سیمینار کے روح رواں بنے ہوئے تھے، ان دونوں کی متوازن اور باوقار شخصیت کی طرح ان کی تقریریں بھی نہایت باوزن اور مؤثر تھیں۔ اعظم گڑھ کے تمام سنجیدہ اور صاحب ذوق لوگوں کو دارالمصنفین کے گزشتہ شاندار کارناموں کا اعتراف بھی ہے اور وہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی تبلیغی، دینی اور علمی خدمات کی بھی دل سے قدر کرتے ہیں، نیز ان کی دارالمصنفین کی سرپرستی پر فخر کرتے ہیں، اس لئے سب نے سیمینار کی کامیابی کے لئے رات دن ایک کر دیا تھا۔

یہ سیمینار جس طرح علمی حیثیت سے کامیاب اور بے مثال تھا اسی طرح انتظامی حیثیت سے بھی کامیاب اور بے نظیر تھا اتنے کامیاب اور شاندار سیمینار کا تصور بڑے بڑے شہروں میں بھی نہیں کیا جا سکتا، لیکن یہ دارالمصنفین کے بانی علامہ شبلی اور ان کے لائق تلامذہ مولانا حمیدالدین فراہی، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالسلام ندوی اور مولانا مسعود علی ندوی کے اخلاص اور حسن نیت کی برکت، اس کے موجودہ صدر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی دلآویز شخصیت اور ناظم جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے کہ چند دنوں تک اعظم گڑھ شہر خصوصاً احاطہ دارالمصنفین اور شبلی کالج میں بڑی رونق اور چہل پہل رہی، اور ایسا سنجیدہ، پرشکوہ اور روح پرور علمی اجتماع ہوا جو اس کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔

اعظم گڑھ کی سرزمین پر یہ اپنی نوعیت کا پہلا سیمینار تھا جس نے اس کے نام کو پوری دنیا میں روشن کر دیا اور اس کے وقار کو آسمان پر پہنچا دیا، اعظم گڑھ کے تمام لوگ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ اور مولانا سید صباح الدین عبدالرحمٰن کے تہ دل سے ممنون ہیں کہ ان کی دعوت و تحریک اور سعی و محنت سے اتنا عظیم الشان اور عدیم المثال سیمینار ہوا۔ اس سے اہل اعظم گڑھ کا سر ہمیشہ اونچا رہے گا اور وہ برابر اس پر فخر کریں گے۔

ہم اعظم گڑھ کے لوگ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی صحت و سلامتی اور عمر میں برکت کی اللہ سے دعا کرتے ہیں تاکہ وہ عرصہ تک دارالمصنفین کی سرپرستی فرما کر اس کے وزن کو بڑھاتے اور اعظم گڑھ کے وقار میں اضافہ کرتے رہیں۔

بقیہ ص ۳

ان بگڑے ہوئے حالات بلکہ اس بگڑے ہوئے انسانی مزاج کو درست کرنے اور اس کو انسانیت کا سبق پڑھانے کی سب سے بڑی ذمہ داری ہماری تعلیمگاہوں اور دانش گاہوں پر عائد ہوتی ہے، ہمیں اگر جینا ہے اور انسانوں کی طرح سے جینا اور رہنا ہے اور اپنے ملک کو امن و امان اور سکھ چین کا گہوارہ بنانا ہے تو ایثار اور قربانی کا مظاہرہ کرنا پڑے گا عوام کی زندگیوں پر اثر ڈالنے کے لئے خواص اور دانشوروں کو اخلاق و ایثار اور قربانی کا مظاہرہ کرنا ہوگا ان طلبہ کو جو کل معاشرہ کا ایک اہم پرزہ ہوں گے یا نظام حکومت کے کسی شعبہ سے متعلق ہوں گے ان میں خدمت خلق، انسان دوستی، محبت و دردمندی کا جذبہ پیدا کرنا ہوگا حالات کو بگاڑنے کے جہاں اور بہت سے اسباب و محرکات ہیں جن میں سب سے اول درجہ پر خود غرضی و مفاد پرستی ہے اور جلد سے جلد مالدار بننے کی خواہش ہے وہیں موجودہ عہد میں بگاڑ کا سب سے بڑا سبب ہماری دانش گاہوں کا اخلاقی تعلیم اور تربیت میں غفلت اور بے اعتنائی ہے جس کی وجہ سے دانش گاہیں خود سیاسی اکھاڑہ بن چکی ہیں بجائے اس کے کہ وہاں ملک کے نظام کو چلانے، ملک میں اخلاق و محبت کو رواج دینے والے اہل علم، مفکر اور کارکن پیدا ہوتے اسلئے ہمارا نظام تعلیم اور تعلیم گاہیں سب سے زیادہ توجہ کی طالب ہیں۔ یہی وہ بنیاد ہے جس پر آگے کوئی کام ہو سکتا ہے عوام اپنے دانشوروں اور پڑھے لکھوں کی اتباع و تقلید کرتے ہیں جب ہماری تعلیم گاہوں ہی سے فساد کے چشمے پھوٹیں گے وہیں سے سماج دشمن عناصر پروان چڑھیں گے تو پھر کہاں سے خیر کی توقع کی جائے گی۔

کرنے کا اصل اور بنیادی کام تو دانش گاہوں کی طرف توجہ ہے لیکن اس سے بھی قبل اس کو غذا پہونچانے کے لئے فوری طور پر ملک کے ایسے انسانیت دوست افراد کو جن کے دلوں میں انسانیت کا درد ہے اور وہ ملک کی بگڑتی ہوئی حالت سے دکھ اور کسک محسوس کرتے ہیں ان کو اپنے محلہ اپنے شہر و قصبہ میں بلا تاخیر لوگوں سے مل جل کر صالح طبیعت انسانوں کو ساتھ لیکر اچھی اور بہتر فضا بنانے کا کام شروع کر دینا چاہئے۔ اگر یہ کام جلد نہیں شروع کیا جاتا تو حالات بڑے خطرناک دنوں کا پتہ دے رہے ہیں۔

بقیہ ص ۲

قریب ہونے لگے، بادل جیوں جیوں قریب ہوتے جاتے گھوڑا بدکتا، صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور یہ واقعہ بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سکینہ قرآن پڑھنے کی وجہ سے نازل ہو رہا تھا۔ (متفق علیہ)

حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات مجھ پر ایسی سورت نازل ہوئی جو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ مجھے محبوب ہے، پھر آپ نے "اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا" (بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن شریف میں ایک سورہ تیس آیتوں کی ہے اس نے اپنے پڑھنے والے کے لئے ایسی شفاعت کی کہ وہ بخش ہی دیا گیا، وہ "تَبَارَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ" ہے۔ (ابوداؤد و ترمذی)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کسی شخص کو بار بار "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھتے ہوئے سنا تو اس نے صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا (گویا وہ اس کو کم سمجھ رہا تھا اس لئے چھوٹا سمجھ کر بار بار پڑھتا تھا) آپ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ یہ سورہ تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (بخاری)

حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے ان آیتوں کو دیکھا ہے جو اس رات اتری ہیں ان کے برابر کسی نے کبھی نہیں دیکھا، وہ "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" ہیں۔ (مسلم)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہوتے تو معوذات پڑھ کر دم فرمایا کرتے تھے، جب آپ کا درد بہت بڑھ جاتا تو میں معوذات پڑھتی اور اس کی برکت کی امید میں آپ کے دست مبارک پر ہاتھ پھیرتی۔ (بخاری)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات جب بستر خواب پر تشریف لیجاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو ملاتے اور ان کو دم کرتے اور "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ"، "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" پڑھتے اور جہاں تک ہاتھ پہنچتا اپنے جسم پر پھیرتے، سر، چہرہ اور جسم کے سامنے کے حصہ سے شروع فرماتے، تین بار ایسا فرماتے۔ (بخاری)

گھڑیاں بھی تبلیغ اسلام کرنے لگیں

جاپان کے دارالحکومت ٹوکیو کے ایک جدید ترین ہوٹل کا ہال "اللہ اکبر" کے پرشکوہ اور پربہار آواز سے گونج اٹھا، اس آواز کی اثر آفرینی سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے آسمان سے چھوتی ہوئی یہ بلند و بالا عمارت اور اس کی در و دیوار اور اس کے ایشیائی کمرے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں۔

"ہم شہادت دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہ اللہ بڑا ہے۔ اللہ بہت بڑا ہے۔"

یہ ایک پاکیزہ تقریب کا منظر تھا، جو ہوٹل کے وسیع و عریض پی کاک ہال میں منعقد ہو رہی تھی۔ اور اس تقریب کے روح رواں سیکا کی لمیٹڈ کے ایگزیکیوٹیو ڈائرکٹر مسٹر عطار بانی شیفتہ تھے جو جاپان کے تجارتی اور صنعتی حلقوں میں اے آر شیفتہ کے نام سے معروف ہیں، اور اس وقت ہوٹل کی فضائیں جس اذان سے معطر ہو رہی تھیں وہ کسی موذن کی اذان نہیں تھی بلکہ اے آر شیفتہ کی ایجاد کردہ الکٹرونک گھڑی "کبیر" کی تھی۔

جی ہاں! گھڑی اذان دے رہی تھی۔

لیکن وہ اذان کے ساتھ قرآن بھی تو پڑھ رہی تھی۔

ایک خالصتاً غیر اسلامی ملک میں منعقد ہونے والی یہ تقریب اس لحاظ سے بھی منفرد تھی کہ قرآن اور اذان کی آواز سننے والوں میں جہاں نائجیریا، مصر اور اردن، سوڈان شام ترکی، انڈونیشیا اور افغانستان جیسے اسلامی ملکوں کے سفیر شامل تھے، وہاں روس، کناڈا اور برطانیہ کے سفارت کار بھی آئے تھے، اذان دینے والے ٹائم پیس اور کلاک میں سری لنکا کے غیر مسلم سفیر کی گہری دلچسپی خاص طور پر دیدنی تھی، تقریب کے مہمان خصوصی پاکستان کے سفیر قمر الاسلام تھے اور انہوں نے اپنی افتتاحی تقریر میں الیکٹرونکس کے ذریعہ دین کی تبلیغ کی اس کاوش کو سراہا تھا، کبیر گھڑی کی تقریب رونمائی کا یہ پہلو خاص طور پر قابل قدر تھا کہ میزبان اے آر شیفتہ اور ان کی نو مسلم جاپانی بیوی سوزوکو سیکا کی بارڈ (اسلامی نام رضیہ سلطانہ بیگم) نے قرآن اور اذان کی اس محفل کے تقدس و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے غیر مسلم مہمانوں کے لئے شراب کا انتظام نہیں کیا تھا۔

قرآنی آیات اور اذان کے کلمات سے مرصع ان گھڑیوں کی انقلابی ایجاد کو اسلامی ممالک کے اخبارات و رسائل ہی نے نہیں سراہا بلکہ غیر مسلم ذرائع ابلاغ نے بھی گھڑیوں کے موجد کو خراج تحسین پیش کیا، ہانگ کانگ ٹیلی ویژن نے اپنے خصوصی پروگرام میں یہ تبصرہ کیا کہ اسلامی تاریخ میں پہلی بار الکٹرونکس کے نظام کو اسلام کی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے لئے استعمال کیا گیا ہے، جاپان ٹائمز اور ٹائمز آف انڈیا نے اسے حیرت انگیز مگر دلچسپ ایجاد قرار دیا۔

سیکا کی لمیٹڈ نے اذان دینے والی پہلی گھڑی "تکبیر" کے نام سے ۱۹۷۹ء میں تیار کی تھی، یہ گھڑی صرف "اللہ اکبر" پکارتی تھی۔ کبیر اسی گھڑی کی جدید صورت ہے، جس میں نہ صرف پانچ اذانیں ریکارڈ کی گئی ہیں بلکہ مختلف وقفوں کے درمیان قرآن پاک کی تلاوت بھی ہوتی ہے، صبح کی اذان سے پہلے پرندوں کے چہچہانے اور پانی کے بہاؤ کی آوازیں سنائی دیتی ہیں اور پھر اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہونے لگتی ہیں۔

کبیر سیریز کے موجد جناب اے آر شیفتہ نے ایک خصوصی انٹرویو میں بتایا کہ انہیں گھڑی میں اذان بھرنے کا خیال ان کے بیڈ روم کی گھڑی کے الارم نے دلایا، تقریباً تیس سال سے جاپان کے غیر مسلم ماحول میں رہتے ہوئے انہیں نماز کی ادائیگی میں بڑی دشواری ہوتی تھی اور وہ صبح سویرے الارم لگا کر سوتے تھے، معاً ان کے ذہن میں یہ تجویز آئی کہ اگر الارم کی گھنٹی کے بجائے مقررہ وقت پر اللہ اکبر سنائی دے تو آنکھ بھی کھل سکتی ہے اور خدا کا نام بھی سنا جا سکتا ہے، ان ہی دنوں وہ امریکہ گئے اور وہاں ان کی ملاقات سیاہ فام مسلمانوں کے رہنما سے ہوئی، اس دردمند مسلمان نے گلہ کیا کہ نیگرو میوزک کی طرف راغب ہے، اگر انہیں موسیقی کے ذریعہ درود و سلام سے متعارف کرایا جائے تو وہ اپنے مذہب میں دلچسپی لینا شروع کر دیں گے۔ اے آر شیفتہ کے ذہن میں اذان دینے والی گھڑی کا تصور تو پہلے تھا ہی، مگر مسلمانوں کی دشواری کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے منصوبہ پر سنجیدگی سے غور کرنا شروع کر دیا، چنانچہ جاپان واپس آکر انہوں نے جاپان کے ایک گھڑی ساز ادارے سے بات چیت اور خود آوازوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے، سب سے پہلے وہ سعودی عرب گئے، ابوظہبی، دبئی، بحرین اور قطر کا دورہ کیا، پھر پاکستان گئے مگر انہیں اذان کیلئے آوازیں نہ ملیں، آخر کار وہ جاپان کے مقیم مصر کے سفیر سے ملے، اور ان کے تعاون سے مصری قاریوں اور موذنوں کی آوازیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے، اپنے مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے ملائشیا کے شہر پورونائی میں منعقدہ مقابلۂ حسن قرأت میں بھی بطور خاص شرکت کی اور چند آوازیں وہاں سے بھی حاصل کیں، گھڑی کے موجد دراصل ان بنیادوں پر سوچ رہے تھے کہ ہر مسلمان ملک کے لوگ اذانوں کی مخصوص آوازوں سے مانوس ہوتے ہیں، اور انہیں وہی آوازیں مہیا کی جانی چاہئیں جو انکے کان سننا پسند کرتے ہیں۔

گھڑی کی آواز مصر، ملائشیا، انڈونیشیا اور پاکستان کی مختلف آوازوں میں ریکارڈ کی گئی ہیں، مگر تلاوت کی آواز عالمی شہرت یافتہ مصری قاری شیخ القراء عبدالباسط کی ہے۔ اے آر شیفتہ کے بقول انہوں نے اذان کی آواز ایران کے شہر کاظمین سے حاصل کی ہے۔ اے آر شیفتہ کے بقول وہ دمشق میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے روضہ پر حاضری دینے گئے وہاں ان کی ملاقات ایک ایرانی سے ہو گئی، گفتگو کے دوران انہوں نے ایرانی سے اپنا مدعا بیان کیا تو اس نے انہیں ایک ٹیپ دی جس میں امام موسیٰ کاظم کے روضے کے موذن کی آواز کا ریکارڈ تھا، کبیر گھڑیوں کی ایک اذان یہ بھی ہے۔ مختصر یہ کہ اے آر شیفتہ نے آوازوں کی تلاش میں کم و بیش ۸۰ ہزار میل کا سفر کیا اور آٹھ ملکوں میں تقریباً ۷ ماہ تک گھومتے پھرے۔

گھڑی کی تیاری اور اذان کی ریکارڈنگ کے دوران خیال آیا کہ اذانوں کے درمیان وقفہ ہوتا ہے اور وقفے کے دوران خاموشی نہیں ہونا چاہئے ظاہر ہے میوزک تو بھرا نہیں جا سکتا تھا چنانچہ انہوں نے ٹوکیو سے ڈھائی سو میل دور ایک جنگل کے پرندوں کی بولیاں ریکارڈ کر لیں۔ یہ آوازیں اب گھڑی میں مقید ہیں۔

اس ایجاد کا ایک حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ اذان سن کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ موذن کی آواز دور کسی مسجد کے میناروں سے سنائی دے رہی ہے، اور جن خوش نصیبوں کو روضۂ رسول کا دیدار حاصل ہوا ہے اور انہوں نے دیار حبیب کی آواز سنی ہے وہ کہتے ہیں کہ انہیں گھڑی کی آواز پر مسجد نبوی کی اذان کا گمان ہوتا ہے۔ شیفتہ صاحب کے بقول اکتوبر ۱۹۷۹ء میں جب انہیں اذان دینے والی گھڑی کا خیال آیا تو ان کے پاس سرمائے کی قلت تھی، مگر جیسے جیسے کام آگے بڑھتا گیا خدا کی برکت شامل حال ہوتی گئی۔ انہوں نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ اپنے منصوبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے ہوئے انہوں نے کبھی یہ نہ سوچا کہ وہ کوئی کارنامہ انجام دے رہے ہیں۔ مگر یہ احساس ضرور تھا کہ وہ کوئی اچھا کام کر رہے ہیں۔

اور اس اچھے کام کے ثمرات یہ ہیں کہ کبیر گھڑیاں تجارت کے ساتھ ساتھ ایک مقدس مشن بھی بن گئی ہیں۔ جب کہ ان کے موجد نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ منافع کا کچھ حصہ رفاہی کاموں پر خرچ کریں گے۔ اس ضمن میں انہوں نے جو رقم مخصوص کی ہے اس کا ۷۰ فیصد پاکستان میں اور ۳۰ فیصد حصہ دنیا کے دوسرے مسلم ممالک میں ضرورت مند افراد کو دیا جا رہا ہے، کبیر کے منافع پر نہ صرف پاکستان کے متعدد طلبہ اور بے سہارا خاندان وظائف کی صورت میں آبرومندانہ زندگی گذار رہے ہیں، بلکہ جہلم کے موضع دھمیال میں ہسپتال کی تعمیر بھی ہو رہی ہے، سیکا کی لمیٹڈ نے اس شفاخانہ کیلئے ۵ لاکھ روپے کا عطیہ دیا ہے۔

اس کام میں تائید خداوندی کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ گھڑیوں کی ایجنسیاں قائم کرنے کے سلسلے میں شیفتہ صاحب یورپ اور مڈل ایسٹ کے دورے پر گئے، ان کا خیال تھا پہلے عمرہ کریں گے اور پھر کاروبار کا آغاز کریں گے، مگر وہ وقت کی قلت کے پیش نظر عمرہ کئے بغیر کاروبار میں مصروف ہو گئے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہیں پورے دورے کے دوران ایک بھی گاہک نہ مل سکا۔ تب وہ پریشان ہوئے اور فوری طور پر اللہ تعالیٰ کے گھر پہنچے۔ رب ذوالجلال کے حضور دعا مانگی مسجد نبوی میں حاضری دی اور نئے سرے سے اپنے کام میں جٹ گئے، وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس بار گھڑیوں کی ایجنسیاں حاصل کرنے کے خواہش مند ان کے پیچھے پیچھے تھے اور وہ آگے آگے۔ (مشرق۔ کراچی)

اعلان!

ایجنٹ حضرات کی خاص تعداد نے واجب الادا رقوم کی ادائیگی نہیں فرمائی ہے اور اس وقت حسابات آڈیٹ ہو رہے ہیں اس لئے ایجنٹ حضرات سے درخواست ہے کہ بقایا رقوم کی ادائیگی جلد از جلد کر دیں تاکہ آڈیٹر کے سامنے ادارہ تعمیر حیات کے صحیح اعداد و شمار پیش کئے جا سکیں نیز منی آرڈر بھیجتے وقت ایجنسی نمبر و خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ (منیجر)

فقہ کا صفحہ

مسائل، جن کا جاننا ضروری ہے

(ادارہ)

سوال: مسجدوں میں محراب بنانے کی ابتداء کب سے ہوئی اور اس کا کیا مقصد ہے؟

جواب: آجکل مسجدوں میں جیسی محراب ہوتی ہے، ایسی محراب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھی، اس وقت محراب کی نوعیت یہ تھی کہ امام کے لئے ایک جگہ متعین کر دی جاتی تھی جہاں امام نماز پڑھاتا تھا۔ سنہ ۹۱ھ میں جب کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز مدینہ منورہ کے گورنر تھے انکی زیر نگرانی مسجد نبوی کی توسیع کا کام شروع ہوا، اس وقت قبلہ دیوار کے مرکز میں ایک الگ جگہ امام کے لئے بنا دی گئی اس کو محراب کہتے ہیں اس طرح محراب کی موجودہ شکل کی ابتداء سنہ ۹۱ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ذریعہ ہوئی۔ اس کے بعد سے دنیا کی ساری مسجدیں اسی نقشہ پر بنی شروع ہوئیں۔ اس کے فوائد اور مقاصد یہ ہیں:

۱۔ مسجد نبوی سے مشابہت۔

۲۔ قبلہ کی تعیین۔

۳۔ امام کی جگہ کی تعیین۔

۴۔ جگہ کی بچت۔

مسجدوں کی موجودہ ہیئت سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ پہلی ہی نظر میں اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ مسجد ہے، اس کے لئے کسی اشتہار یا سائن بورڈ کی ضرورت نہیں پڑتی ہے، قبلہ اور امام کی جگہ کی تعیین کسی تختی پر لکھ کر بھی کیا جا سکتا تھا، لیکن اس سے صرف وہی لوگ فائدہ اٹھاتے جو پڑھے لکھے ہوتے، ان پڑھ لوگوں کو معلوم نہ ہوتا وہ دوسروں سے پوچھنے کے محتاج ہوتے اسی طرح تختی ایک یا زیادہ سے زیادہ دو تین زبانوں میں لکھی جاتی، جب کہ مسلمان دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں، تختی کی زبان نہ جاننے والوں کو پڑھا لکھا ہونے کے باوجود زحمت ہوتی اور ترجمان کی ضرورت محسوس ہوتی۔ اسلام دین فطرت ہے یہ ہر جگہ اور ہر زمانے کے لئے ہے اس لئے مسجدیں ایسی ہیئت پر بنائی جاتی ہیں کہ ہر شخص کسی ترجمان یا گائڈ کی مدد کے بغیر از خود معلوم کرلے کہ یہ مسجد ہے اور قبلہ اس طرف ہے۔

سوال: جس طرح رمضان کے مہینے میں وتر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں دوسرے دنوں میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: رمضان شریف میں وتر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے لیکن رمضان شریف کے علاوہ دوسرے دنوں میں وتر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے، البتہ کبھی کبھار اس کی جماعت بغیر اہتمام اور بے تداعی کے ہو تو اس میں کراہت نہیں ہے۔

سوال: میت کے نزدیک قرآن شریف کی تلاوت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: میت کو غسل دینے سے پہلے اس کے بالکل قریب بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت مکروہ ہے۔ جاں کنی کے وقت بہت تکلیف ہوتی ہے اور انسان کے اعضاء بالکل ڈھیلے پڑ جاتے ہیں چنانچہ اس کا قوی امکان ہوتا ہے کہ میت کے پیشاب پاخانے کی راہ سے نجاست نکلی ہو اور جسم اس میں ملوث ہو اس لئے اس کے بالکل قریب بیٹھ کر تلاوت کرنا قرآن مجید کے ادب و احترام کے خلاف ہے البتہ غسل دینے کے بعد اس کے قریب بیٹھ کر تلاوت کرنا درست ہے۔ غسل دینے سے پہلے اگر میت سے دور بیٹھ کر تلاوت کی جائے تو یہ بھی جائز ہے۔

سوال: ایک چھوٹے بچے نے کنویں میں پیشاب کر دیا، کنویں کا پانی پاک رہا یا ناپاک ہو گیا اگر ناپاک ہو گیا تو اس کے پاک کرنے کی کیا صورت ہوگی؟

جواب: کنواں ناپاک ہو گیا اور اس کا سارا پانی نکالنا ضروری ہے، جب سب پانی نکل جائے گا تو کنواں پاک ہو جائے گا کنویں کے اندر کے کنکر، دیوار وغیرہ کے دھونے کی ضرورت نہیں ہے وہ سب آپ ہی آپ پاک ہو جائیں گے۔

سب پانی نکالنے کا مطلب یہ ہے کہ پانی ختم ہو جائے اور آدھا ڈول بھی نہ بھرے۔ اگر کنویں میں اتنا بڑا سوت ہو کہ سب پانی نکالنا دشوار ہو جیسے جیسے پانی نکالتے ہیں ویسے ویسے پانی اس میں سے اور نکلتا آتا ہو تو ایسی صورت میں کنویں کے کل پانی کا اندازہ لگایا جائے گا اور جتنے پانی کا اندازہ ہوگا اتنا پانی نکالا جائے گا۔ اگر صحیح اندازہ نہیں ہو رہا ہو تو تین سو ڈول پانی نکالا جائے گا کنواں پاک ہو جائے گا۔

سوال: نکاح کے وقت لڑکی کے ماں باپ زیورات، کپڑے اور برتنوں کی شکل میں جو سامان لڑکی کو دیتے ہیں اس کا مالک لڑکی ہوتی ہے یا لڑکا، یا لڑکی کے والدین ہی مالک رہتے ہیں؟

جواب: نکاح کے وقت لڑکی کو جو چیزیں دی جاتی ہیں وہ لڑکی کی ملک ہوتی ہیں، شوہر صرف اس چیز کا مالک ہوتا ہے جو اس کے لئے دی جاتی ہے مثلاً جوڑا۔

سوال: نکاح میں مہر معجل اور مؤجل سے کیا مراد ہے؟

جواب: مہر معجل سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کی ادائیگی فوراً لازم ہو، اور مؤجل سے مراد یہ ہے کہ ادائیگی فوراً لازم نہیں ہے اس کی ادائیگی کے لئے کوئی مہلت اور میعاد مقرر ہے۔ ●●

دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش کی
"پانچویں صوبائی دینی تعلیمی کانفرنس"

۱۷، ۱۸ر اپریل سنہ ۱۹۸۲ء کو دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش کی پانچویں صوبائی کانفرنس بہرائچ میں ہو رہی ہے۔ یہ کانفرنس مسلمان بچوں اور بچیوں کی دینی تعلیم اور اُن کے کلچرل و تہذیبی حالات کا جائزہ لے گی اور غور کرے گی کہ ان حالات کو بہتر بنانے میں خود مسلمان کیا رول ادا کر سکتے ہیں۔

کانفرنس حکومت کی موجودہ تعلیمی پالیسی کا بھی مکمل جائزہ لے گی اور ان عوامل پر غور کرے گی جن کے پس منظر میں مسلمان بچے اور بچیاں اسلامی تعلیم و تہذیب سے دور ہوتے جا رہے ہیں اور ان کی مادری زبان 'اردو' ایک گہرے تہذیب منصوبے کے مطابق ہندی میں تبدیل ہوتی جا رہی ہے۔

کانفرنس اتر پردیش کے تعلیمی اداروں میں عام اخلاقی بحران کا بھی جائزہ لے گی اور حکومت کے اس اخلاقی، تعلیمی منصوبے پر بھی غور کرے گی جس کا کوئی جوڑ اسکولوں کی عملی زندگی سے نہیں ملایا گیا ہے۔

مندوبین کانفرنس کو دعوت نامے جاری کئے جا رہے ہیں۔ ہر ضلع سے کم سے کم ۲۰ مکاتب پر ایک نمائندہ بلایا جا رہا ہے۔ اگر ڈاک کی خرابی یا کسی وجہ سے دعوت نامے نہ پہونچ سکیں تو اضلاع کے ذمہ داران ڈاک کا انتظار کئے بغیر نمائندوں کے ناموں کی فہرست دفتر مجلس استقبالیہ، دینی تعلیمی کانفرنس، ملی امدادی سوسائٹی، گھنٹہ گھر، بہرائچ کو روانہ فرمائیں۔

دفتر کانفرنس کا ٹیلیفون نمبر ۳۱۱ بھی نوٹ کر لیں۔

ریاض الدین احمد
جنرل سکریٹری دینی تعلیمی کونسل یوپی

۱۸ر مارچ سنہ ۱۹۸۲ء

از: محمود الازہار ندوی

دار المصنفین اعظم گڑھ کا سمینار

مقالات کی نشست

پہلی نشست:
شام کی نشست شبلی کالج کے وسیع کانووکیشن ہال میں مقالات کی ترتیب دینے والی کمیٹی کے خطوط پر ہوئی اس کمیٹی کی تشکیل افتتاحی جلسہ کے اختتام پر کر دیا گیا تھا اور اس میں حسب ذیل ارکان شامل تھے۔

۱۔ ڈاکٹر عبد الصبور مرزوق، ڈائرکٹر جنرل رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ۔
۲۔ ڈاکٹر محمود محمد طنطاوی صدر شعبہ شریعت و قانون العین یونیورسٹی متحدہ عرب امارات۔
۳۔ ڈاکٹر سید سلمان ندوی صدر ثقافت اسلامیہ ڈربن یونیورسٹی۔ ڈربن۔ جنوبی افریقہ۔
۴۔ ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری، پروفیسر تاریخ اسلامی پٹرولیم یونیورسٹی، ظہران
۵۔ ڈاکٹر ضیاء الحسن فاروقی، صدر شعبہ ادارہ علوم اسلامیہ والسنہ شرقیہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی
۶۔ جناب مولانا محمد رابع الحسنی ندوی، صدر شعبۂ عربی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔
۷۔ مولانا سعید الرحمٰن الاعظمی الندوی، استاذ ادب عربی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔
۸۔ ڈاکٹر مشیر الحق ندوی پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی۔

اس نشست کی صدارت جناب ڈاکٹر یوسف القرضاوی ڈین شریعت فیکلٹی قطر یونیورسٹی قطر نے کی اور نظامت کے فرائض ڈاکٹر سید سلمان ندوی نے انجام دئے اس نشست میں ڈاکٹر محمود محمد طنطاوی العین یونیورسٹی، پروفیسر امیر حسن عابدی، جناب خلیق احمد نظامی، جناب مولانا سعید احمد اکبرآبادی نے اپنے مقالات پیش کئے سب سے پہلے ڈاکٹر محمود محمد طنطاوی نے اپنا مقالہ پیش کیا آپ کے مقالہ کا عنوان "الاسلام انتشر بالسلم لا بالسیف" آپ نے اپنے مقالہ کا آغاز مستشرقین کے اس شبہ سے کیا کہ اسلام تلوار سے پھیلا حالانکہ اسلام کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو دیکھا جاتا ہے کہ تنہا فرد واحد نے اس دعوت کو شروع کیا غار حرا میں وحی نازل ہوئی اور سب سے پہلے حضرت خدیجہ بنت خویلد حضرت ابو بکر صدیق حضرت علی نے اسلام قبول کیا اور ایک مدت تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی دعوت خفیہ طور پر دیتے رہے اور لوگ اپنی رضامندی سے اسلام قبول کرتے رہے اور اپنی خواہش سے دائرہ اسلام میں داخل ہوتے رہے اس طرح اسلام ترقی کرتا رہا اور اسلام میں داخل ہونے والوں کو سزائیں دی جاتی تھیں نہ کہ وہ دوسروں کو سزائیں دیتے تھے، ہجرت حبشہ کا واقعہ پیش آیا، اس کے بعد ہجرت مدینہ کا واقعہ پیش آیا اور جب مسلمان مدینہ منورہ میں پہونچے تو گویا اسلامی مملکت کی بنیاد پڑ گئی اور مسلمانوں کے مصائب و آلام بڑھتے ہی جا رہے تھے اس وقت یہ حکم نازل ہوا، "اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر" یہاں مسلمانوں پر ظلم و تعدی کی جا رہی تھی اور جس پر ظلم و تعدی کی جاتی ہے اس کو یہ حق ہے کہ وہ دفاع کرے اور اس آیت نے ظالموں کے خلاف وسائل کو بروئے کار لانے کی اجازت فراہم کردی۔ اسلام میں دعوت کے سلسلہ کے جو احکام بیان کئے ہیں یا کفار سے جنگ کے سلسلہ میں، تو اس میں سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ دعوت پیش کی جائے اگر نہ قبول کریں تو ان کو جزیہ کے لئے مجبور کیا جائے اور اگر دونوں شرطوں میں سے کسی کو تسلیم نہ کریں تو پھر جنگ اگر وہ جزیہ کو قبول کر لیتے ہیں تو گویا اسلامی حکومت کی بالادستی تسلیم کرتے ہیں اور اسلام کو موقع دیتے ہیں کہ میری جانب سے کوئی خطرہ نہیں ہے اور دعوت اسلامی اب قدم آگے بڑھائے اور دوسرے تک پہونچے اگر وہ اس کو قبول نہیں کرتے ہیں تو گویا وہ دعوت اسلامی کی راہ میں رکاوٹ ہیں اور ان سے جنگ کرنی پڑتی ہے، تو اس طرح اسلام کے اصول بتاتے ہیں کہ اسلام طاقت کے ذریعہ نہیں پھیلا بلکہ دعوت کے ذریعہ، اور وہ ممالک جن میں اسلام داخل ہوا اور ہندوستان ان میں سر فہرست ہے اور ان ممالک کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام خود لوگوں کی خواہش سے اور مسلمانوں کے اخلاق و برتاؤ سے پھیلا ہے لوگوں کے دل و دماغ سے اس شبہ کا ازالہ کرنا چاہئے اور یہ حقیقت واضح کرنی چاہئے کہ مدینہ کے اہل کتاب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امن و سلامتی کا معاہدہ کیا مگر ان لوگوں نے اس کی پابندی نہ کی اور دشمنوں کی در پردہ مدد و تعاون کرتے رہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تک کے خلاف ناپاک سازشیں کیں جس کا سد باب کرنے کے لئے ان کی بیخ کنی کی گئی۔

اور اسلام نے دعوت اسلامی کے لئے ذیل کے طریق کار کو ملحوظ رکھا ہے:۔

(۱) دعوت اسلامی حجت و دلیل کے ذریعہ۔ (۲) جب اس میں کامیابی نہ ہو تو جزیہ کا مطالبہ تا آنکہ تابعداری ثابت ہو جائے اور ہدایت اسلامی کی راہ کھلے جو چاہے اسلام لائے اور جو چاہے اپنے دین پر برقرار رہے۔ (۳) اور انکار کی صورت میں جنگ کرو اور دعوت اسلامی کی راہ میں رکاوٹ بننے والوں سے جنگ ہے اور اس کو جبراً اسلام قبول کرنے سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا ہے۔

قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتیٰ یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صابرون ○

ان کے بعد ڈاکٹر سید امیر حسن عابدی نے اپنا مقالہ (مستشرق) "براؤن اور اسلام" کے موضوع پر پیش کیا۔

براؤن اور اسلام:

براؤن اور اسلام پر پروفیسر امیر حسن عابدی صاحب نے اپنا مقالہ پیش کیا اس میں آپ نے مغرب کی مشرقی علوم کی طرف توجہ کے اسباب کا ذکر کیا۔ آپ نے کہا!

یورپ میں عربی فارسی وغیرہ جیسے مشرقی علوم پر توجہ کے دو اسباب تھے ایک تو یہ کہ ان زبانوں میں خاصکر عربی کے ذریعہ سے وہ یونانی علوم کو حاصل کریں اور سقراط، افلاطون، ارسطو وغیرہ کے فلسفہ کو سمجھ سکیں۔ دوسرا مقصد یہ بھی تھا کہ وہ اسلام، قرآن اور مسلمانوں میں طرح طرح کی خامیاں اور کمزوریاں نکالیں اور کیچڑ اچھال سکیں، پھر بھی بہت سے ایسے مستشرقین ہیں جنھوں نے اسلام اور اسلامی علوم و فنون کا بڑی دیانت داری سے مطالعہ اور اس سے پورا استفادہ نیز مسلمانوں کے دین کا اعتراف کیا ہے۔ پروفیسر براؤن کا شمار انہیں حضرات میں کیا جائے گا، انھوں نے فارسی ادب کی تاریخ لکھنے میں مسلمانوں کی صحیح خدمات کا جائزہ لیا اور اپنے کو ایک سچے اور ایماندار محقق کی حیثیت سے پیش کیا نیز انھوں نے ابن ہشام، طبری دینوری مسعودی، یعقوبی وغیرہ کے حوالہ سے اپنی تحقیقات کی تکمیل کی ہے۔

براؤن نے نوشیروان عادل کو زرتشتی مذہب کا احترام کرنے والا اور ہر طرح کی سہولت دینے والے کی حیثیت سے پیش کیا، وہ عیسائیت کو بڑی حقارت سے دیکھتا تھا اور اس معاملہ میں اسے متشدد و متعصب بتلایا ہے مگر دوسری طرف اسے مامون رشید اور اکبر جیسے بادشاہوں کا ہم پلہ قرار دیا ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے براؤن لکھتے ہیں کہ ان کا کام بہت مشکل تھا، اس لئے کہ ریگستانی عرب کو ماوراء الطبیعات اور الٰہیات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے نیز انھیں ایسے خدا کی ضرورت نہیں ہے جو طاقتور تو ضرور ہے مگر ان سے خدمت کا خواہاں ہے۔ براؤن کے نزدیک ہجرت سے لے کر حضرت عمرؓ کی وفات تک کا زمانہ مقدس اسلام کا سنہرا عہد ہے۔

مسلمان عرب کے ریگستان سے اٹھے بے شمار قبیلوں میں منتشر اور آپسی جنگ و خونریزی میں مبتلا عربوں کو اسلام نے ایک کیا، سڑی گلی ایرانی سلطنت کا خاتمہ کیا۔ قسطنطنیہ کے جانشینوں سے ان کے اچھے صوبے لے، یورپ کو ہراساں کر دیا اور اپنی فاتح فوجوں کے ساتھ ہمالیہ میں داخل ہوئے وہ دوسرے فاتحوں کی طرح نہ تھے اس لئے کہ یہ ایک نئے مذہب کی تبلیغ کر رہے تھے ایرانیوں کی بگڑی ہوئی عصبیت کے خلاف انہوں نے وحدت کا اعلان کیا جسے لاکھوں آدمیوں نے قبول کیا اور جو آج بھی انسانوں کے دسویں حصہ کا مذہب ہے۔

براؤن نے پیغمبر صلعم کی زندگی خلفائے راشدین حضرت عثمان کے قتل، حضرت علی کی خلافت اور معاویہؓ کا اس سے انکار۔ جنگ صفین جنگ جمل و نہروان۔ خوارج و معاویہ کے ساتھ صلح اور امام حسن کی خلافت سے دستبرداری معرکۂ کربلا، ابن زبیر اور مختار کی بغاوت، عبد الملک کی حکومت، حجاج کے مظالم، بنو امیہ کے زوال کے اسباب، عمر ابن عبد العزیز۔ بنو عباس کے پروپگنڈے میں ایرانیوں کا ساتھ دینا، ابو مسلم خراسانی، عباسی خلافت، برامکہ کا عروج و زوال وغیرہ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

براؤن کے نزدیک ایران پر عربوں کی فتح سے زیادہ مشکل کام اسلام کے زرتشتی مذہب پر بتدریج غلبہ اور فتح کا پتہ لگانا ہے

عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ اسلامی فاتحین نے لوگوں کے لئے تلوار اور قرآن کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں چھوڑا تھا لیکن براؤن کے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ مجوسیوں، عیسائیوں اور یہودیوں کو اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنے مذہب پر قائم رہ سکتے ہیں البتہ انہیں جزیہ دینا ہوگا۔ نیز ان کے نزدیک یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ زرتشتیوں پر کوئی خاص سختی کی گئی ہو یا ایرانیوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا ہو بلکہ بیشتر تبدیلی مذہب اختیاری تھا عام طور سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسلامی فتح کے بعد تین سو سال تک ایران ذہنی طور سے کورا رہا لیکن براؤن کے خیال میں یہ زمانہ نئے اور پرانے امتزاج و حلول اور تناسب کا زمانہ ہے سیاسی اعتبار سے ایران مستقل اور آزاد نہ رہا ہو لیکن ذہنی اور عقلی میدان میں انکی بلندی قائم رہی، علم کے ہر شعبہ میں ایرانیوں نے نمایاں حصہ لیا براؤن نے اپنی کتاب میں ان مستشرقین کا ذکر کیا ہے جن سے انھوں نے استفادہ کیا ہے اس کے ساتھ انھوں نے بہت سے اسلامی علماء کا بھی ذکر کیا ہے جن کے تبحر علمی اور دقت نظری کا انھوں نے اعتراف کیا ہے۔

ان میں سے ایک علامہ شبلی نعمانی بھی ہیں جن کے متعلق وہ لکھتے ہیں جہاں تک میں فیصلہ کر سکتا ہوں شروع سے لے کر ستر ہویں صدی کے آخر تک ممتاز فارسی شعرا کا بھرپور اور بہترین تبصرہ انتہائی بدقسمتی سے اردو یا ہندوستانی زبان میں لکھی ہوئی شبلی نعمانی جیسے ممتاز عالم کی شعر العجم ہے براؤن کی اس سخت رائے سے ہم میں یہ احساس ہونا چاہئے کہ ہمارے بزرگوں کے کارنامے بہتر سے بہتر شکل میں دنیا کے مستشرقین کے سامنے پیش کئے جانے کی ضرورت ہے، خود شبلی کی منتخب تصنیفات اور تالیفات کو دنیا کی زبانوں میں خاص کر انگریزی زبان میں ترجمہ کیا جائے تاکہ دوسری زبان کے لوگ اس سے پوری طرح استفادہ کر سکیں۔

مستشرقین کے افکار و نظریات کے مختلف دور اور اصلاح حال کی راہ:

مستشرقین کے افکار و نظریات کے مختلف دور اور اصلاح حال کی راہ کے عنوان پر پروفیسر خلیق احمد نظامی سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے اپنا مقالہ پیش کیا۔

ہر قوم کی حیات اجتماعی کی ایک روح ہوتی ہے جس کی صحیح فہم و ادراک کے بغیر اس کی تاریخ یا تمدن کی بنیادی حقیقتوں کا پتہ لگانا ممکن نہیں ہے۔ مستشرقین نے اسلام کی تاریخ اور تہذیب کی تحقیق میں عظیم الشان کارنامے انجام دیے ہیں لیکن وہ اس داخلی معنویت کو سمجھنے سے یکسر عاجز رہے ہیں اس ناکامی کے اسباب کی توجیہ اس وقت ممکن ہے جب ان عوامل و محرکات کا سراغ لگایا جائے جن کے زیر اثر مستشرقین نے تاریخ اسلام پر اپنی توجہ مرکوز کی تھی اور اس کے مذہبی افکار اور تمدنی اداروں کی نوعیت کو سمجھنا چاہا تھا۔ یہ محرکات کبھی مذہبی عصبیت کا سہارا لیتے تھے کبھی مقتضائے سیاست سے ان کا رخ متعین ہوتا تھا کبھی معاشی دور اندیشی علمی جد و جہد کا پیکر اختیار کر لیتی تھی۔

اگر تاریخ کے وسیع پس منظر میں دیکھا جائے تو مستشرقین کے تحقیقی جد و جہد کے سات دور سامنے آئیں گے۔ پہلا دور وہ ہے جب اسلام اور اس کے تہذیبی کارناموں سے واقفیت حاصل کرنے کا جذبہ مغرب میں اس وقت بیدار ہوا تھا جب اسپین اور سسلی کی سرزمین پر عربوں نے قدم رکھا تھا۔ یہ صرف ایک ملک یا ایک جزیرے کی فتح نہ تھی بلکہ تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کے ایک نئے اور انقلاب آفریں دور کا آغاز تھا ایسا دور جس نے بقول پروفیسر سینیو تہذیبی اعتبار سے یورپ کو بیدار کیا اور مغرب کی ترقی کے لئے نئے نئے امکانات پیدا کر دئے، عربوں کے علوم کو حاصل کرنے ان کے مذہب کی حقیقت کو سمجھنے اور ان کی علمی سربلندی کا راز حاصل کرنے کا جذبہ اس بات کا محرک ہوا کہ نئے علمی تجربات نئے علمی رجحانات سے یورپ کے عالم استفادہ کریں اور پیغمبر اسلام صلعم کے متعلق جب گفتگو کرتے تو اپنے متعصبانہ جذبات کو چھپا نہ پاتے تھے لیکن اسلام کے علمی ذخائر کے ذریعہ علمی سربلندی تک پہونچنے کی جستجو ان کے سارے جذبات پر حاوی تھی۔

عربوں نے یورپ کی خاموش علمی فضا میں حرکت پیدا کر دی تھی اور یورپ کو اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ عقل کو صنعت پر ترجیح حاصل ہے۔ یورپ کا نشاۃ ثانیہ اسی اصول کا شرمندہ احسان تھا۔ آنے والی صدیوں میں اسی پر عمل پیرا ہو کر یورپ نے علمی سربراہی کا راز پایا اور وہ عظیم الشان علمی کارنامے انجام دئے جنھوں نے اس کو علمی فضیلت کی صف اول میں پہونچا دیا۔

مستشرقین کے علمی جد و جہد کے تیسرے دور کا آغاز اس وقت ہوا جب انقلاب نے یورپی ممالک میں استعماری اور ملک گیری کی حرص بڑھا دی۔ یورپ نے ان مسلمان ملکوں پر للچائی ہوئی نظریں ڈالنا شروع کر دیں ان حالات میں اسلام کی طرف کھلا ہوا عناد سیاسی مصالح کے منافی نظر آنے لگا۔ ان ملکوں میں اقتدار جمانے کے لئے ضروری تھا کہ مسلمانوں کی تاریخ کا ایک ایک پیچ و خم ان کے افکار و احساسات کی ایک ایک خلش اور ان کے سیاسی رجحانات اور دینی شعور کے ایک ایک نشیب و فراز کا پتہ لگایا جائے۔ محکوم کے دل و دماغ تک پہنچے بغیر حکمراں کی کوئی صدی کامیاب نہیں ہو سکتی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے یورپین ممالک نے سب سے پہلے اپنی یونیورسٹیوں اور اداروں کو آواز دی، اور وہاں سے ہمت افزا جواب پایا سترہویں صدی میں کیمبرج اور آکسفورڈ میں عربی پڑھانے کا بندوبست کیا گیا اور اسلام کے علمی ذخائر کو جگہ جگہ سے سمیٹ کر لانے کے منصوبے بنائے۔

جوتھا دور۔ جب نوآبادیاتی نظام کا دم واپسیں شروع ہوا اور اسلامی ممالک میں آزادی کی تحریکیں نمودار ہونے لگیں تو مستشرقین کے انداز تحقیق اور طریقۂ کار میں حیرت انگیز تبدیلی پیدا ہوئی۔ نوآبادیوں کی آزادی کو ٹالنا اب ممکن نہ رہا تھا لیکن ان سے بے تعلق ہو جانا ملک کے سیاسی اقتدار کے منافی تھا۔ چنانچہ اب تمدنی رشتوں کی نئی تدبیریں وضع کرنے کے لئے اسلامی علوم کا نئے انداز سے مطالعہ ضروری ہو گیا۔ دولت برطانیہ نے اپنی نوآبادیوں سے دستبردار ہونے میں پس و پیش نہیں کیا لیکن تمدنی سرمایہ کو جو آج کی کتابوں اور آثار کی شکل میں انگلستان کی زینت بنا ہوا ہے۔ واپس کرنے سے صاف انکار کر دیا، حقیقت یہ ہے کہ یہ فکر مقصد بدل جانے کا نتیجہ تھی۔ اب سیاسی برتری قائم رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ بظاہر اپنے تحقیقی انداز سے اسلام کے ساتھ احترام کا برتاؤ کیا جائے تاکہ ایسا نہ ہو کہ سیاسی آزادی کی تحریکیں مغرب کی ذہنی غلامی سے بغاوت کا رنگ اختیار کر لیں لیکن دوسری طرف ایسے فتنوں کو خاموشی سے بیدار کرنے کی جستجو شروع ہو گئی کہ دوسرے مسلمان ممالک افتراق اور انتشار کا شکار ہو جائیں۔ اس دور کے مستشرقین اپنے دور کے وزارت خارجہ کے مشیر بن گئے اور ان کی تحقیق اگر ایک طرف مغربی پالیسی کا رخ متعین کرنے لگی تو دوسری طرف ان علاقوں میں تبدیلی لانے کے لئے وزارت خارجہ ان مستشرقین سے مدد لینے لگی۔

پانچواں دور، مستشرقین ابھی اسی دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کی جستجو کر رہے تھے کہ اسلامی ممالک میں پٹرول کے چشمے ابل پڑے اور دنیا کا اقتصادی مرکز عرب ممالک کی طرف منتقل ہو گیا۔ مستشرقین کے حاشیہ خیال میں بھی ایسی صورت نہیں تھی اسلامی ممالک کی اقتصادی آزادی کے خیال میں اونچی استعمارانہ فکر کے سارے منصوبے خاک میں ملا دئے۔ نئی صورت حال کے امکانات ان کے لئے تشویش کا باعث بن گئے۔ اقتصادی اعتبار سے ان حالات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش برابر جاری ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اسلام سے بے توجہی برتی جا رہی ہے اور اب اس یقین کی دلچسپی جدید سیاسی تحریکات، سماجی رجحانات اور اقتصادی امکانات کے مطالعہ کی طرف منتقل ہو چکی ہے اب فکر اسلامی کی توجیہ و تحلیل سے زیادہ مسلمان ملکوں کے اندرونی و بیرونی حالات کی طرف توجہ ہے۔ نیشنلزم کے وہ عناصر جو عربوں کی وحدت ملی کے تصورات کو پارہ پارہ کر سکتے ہیں وہ توجہ کا مرکز بن گئے ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صیہونیت نے مستشرقین کے انداز تحقیق سے ساز باز کر لیا ہے۔ شاید تاریخ کے کسی دور میں دیار مغرب کے رہنے والوں کو اسلام سے وہ دلچسپی پیدا نہیں ہوئی جو عصر حاضر کے ساتھ ساتھ ابھر کر سامنے آئی ہے۔ حالات کی اسی نئی کروٹ نے مستشرقین کو ایک عجیب ذہنی کشمکش میں مبتلا کر دیا ہے ان کا ترکش خالی ہے اور حالات کچھ اور ہی رنگ اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ اس زمانہ میں مستشرقین نے جو طعن اسلام پر کئے ہیں وہ اسلام سے زیادہ خود ان کے نفسیاتی مطالعہ کے لئے دلچسپ مواد فراہم کرتے ہیں۔

مستشرقین کی سرگرمیوں کی روداد بیان کرنے کے بعد ضروری ہے کہ ان کی خدمات کا اعتراف بھی کھلے دل سے کیا جائے۔ نکلسن کے متعلق آربری نے بتایا تھا کہ مثنوی کا رات دن مطالعہ کرتے کرتے اس کی بینائی جاتی رہی تھی۔ مارگولیتھ کے متعلق مولانا شبلی نے سیرت النبیؐ میں لکھا ہے کہ اس نے مسند امام احمد بن حنبل کی ۶ ضخیم جلدوں کا ایک ایک حرف پڑھا ہے اور ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں کسی مسلمان کو بھی اس میں اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ گولڈ زیہر نے احادیث کی طرف توجہ کی تو حدیث کے سارے ذخیرے کو کھنگال ڈالا۔ مستشرقین کی اسی لگن اور انہماک کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی تاریخ

تمدن کے سارے ماخذ ان کے قابو میں آگئے۔ علمی اسباب سے قطع نظر اگر صرف جذبات اور ادراک کی حیثیت سے دیکھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ مسلسل اسلام کے مطالعہ نے ان کی زندگی پر کیا اثر ڈالا تھا۔ موسیٹیو جب سورہ کہف پڑھتا تو اس کے چہرے پر عجیب و غریب کیفیت پیدا ہو جاتی۔ گوئٹے قرآن کے متعلق کہا کرتا تھا جب میں یہ کتاب پڑھتا ہوں تو میری روح میرے جسم میں کانپنے لگتی ہے۔

راہِ عمل: یہ ساری گفتگو بے معنی رہے گی اگر اس سوال پر غور نہ کیا جائے کہ آئندہ کے لئے راہ عمل کیا ہونا چاہئے۔ محض مستشرقین کی تنقید کو مقصد بنا لینا یا ان کی علمی بد دیانتیوں کا نوحہ کرتے رہنا۔ قوائے ذہنی کے اضمحلال کی نشانی ہے۔ سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ روح اسلامی پر تحقیق کے نہایت اعلیٰ مرکز قائم کئے جائیں اور دنیا کے ہر گوشہ سے جدید سائنسی تجزیوں کو کام میں لاکر اسلامی علوم و فنون کے تمام مآخذ ان مرکزوں میں جمع کر دئے جائیں۔ اس منصوبہ کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ ہر ملک پہلے خود اپنے علمی سرمایہ کا جائزہ لے اور جس طرح مولانا حکیم سید عبدالحی مرحوم نے الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند میں ہندوستان کے علمی سرمایہ کا جائزہ لیا ہے اسی طرح کے کام ہر ملک میں کئے جائیں۔ مآخذ کے سلسلہ میں یورپ کی محتاجگی ختم ہونے کے بعد خود اعتمادی کا جو دور شروع ہوگا وہ علمی جد و جہد میں نئی توانائی پیدا کر دے گا۔ یورپ نے اب تک حدیث، فقہ، جغرافیہ وغیرہ کی لاتعداد مآخذ شائع کئے اور مسلمان علماء کو اس طرف توجہ کرنی چاہئے۔ اسلامی تاریخ تہذیب اور تمدن کے متعلق ایسی انسائیکلو پیڈیا تیار کرنی چاہئے جن کی معلومات معتبر اور نقطۂ نگاہ معروضی ہو اور جن سے ان تمام غلط نظریات کی اصلاح ہو سکے جو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، ڈکشنری آف اسلام کے ذریعہ پھیلائے گئے ہیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے ایک اجلاس میں کہا تھا "یہ دیکھ کر تعجب اور افسوس ہوتا ہے کہ بعض تاریخی تحقیقات میں اسلامی شریعت کی وضاحت انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کی نظر سے کی جاتی ہے"۔ اس لئے ضروری ہے کہ قدیم و جدید علوم کے ماہرین ایک جگہ جمع ہوں اور اس کمی کو پورا کریں۔ ہر عہد ایک نئے علم کلام کا مطالبہ کرتا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس دور میں جب کہ انسان وسخر لکم اللیل والنہار اور اس کی منشاء الٰہی کو پورا کرتا نظر آرہا ہے یا علم کلام سائنس کو نظر انداز نہیں کرے گا ضرورت ہے کہ قرآن کے مطالعہ کو آگے بڑھایا جائے حدیث کے مطالعہ کو گولڈ زیہر کے حدود سے آگے بڑھایا جائے وقت کا تقاضا ہے کہ فقہ اسلامی کی کتابوں کی تشریح موجودہ دور کی ضروریات کے مطابق ہوں تاکہ فقہ اسلامی کے افادی پہلو سامنے آسکیں۔ آج جب کہ یورپ و امریکہ میں اسلام کو بحیثیت دین غیر معمولی دلچسپی کا اظہار عوام میں ہو رہا ہے اس کام کی ضرورت اور بڑھ گئی ہے۔ اس طرح نہ صرف شاخت وغیرہ کے نظریات کی اصلاح ہو جائے گی بلکہ اسلام کے نظام حیات کے متعلق سوچنے کے نئے پہلو بھی آشکارا ہو جائیں گے۔ ڈاکٹر اقبال کی دور بین نگاہ نے اس کام کی اہمیت و ضرورت کا اندازہ آج سے ۶۵ سال پہلے لگا لیا تھا اور وہ مولانا انور شاہ کشمیری کے ذریعہ سے فقہ اسلامی کو عصر حاضر کے مذاق کے مطابق پیش کرنا چاہتے تھے۔ اس کام کو اب اور زیادہ ملتوی نہیں کیا جا سکتا۔ اس ساری جد و جہد میں آب و رنگ اس وقت پیدا ہو گا جب علمی جذبے سے سرشار مسلمان علماء و فضلاء علم کو اپنی کھوئی ہوئی میراث سمجھ کر اس کام کی طرف متوجہ ہوں گے اور اپنے خون جگر سے اس خاکے میں رنگ بھریں گے۔

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ نے صحیح لکھا ہے کہ وقت کا تقاضا ہے کہ مسلمان علماء اپنی ایسی تصانیف تیار کریں جو اپنی تحقیقات کی اصلیت، مطالعہ کی وسعت نظر کی گہرائی، مآخذ کی صحت اور محکم استدلال میں مستشرقین کی کتابوں سے کہیں فائق اور ممتاز ہوں ؎

فرنگ سے بہت آگے ہے منزلِ مومن
قدم اٹھا یہ مقام انتہائے راہ نہیں

گولڈ زیہر:

گولڈ زیہر پر جناب مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے اپنا مقالہ پیش کیا۔ آپ نے اپنے مقالہ میں گولڈ زیہر کی ولادت سے لیکر تعلیم و تربیت اور علمی مدارج کا بتدریج ارتقاء، مشرق وسطیٰ کا سفر، دمشق میں قیام، قاہرہ میں قیام جامع ازہر قاہرہ میں تعلیم کی غرض سے داخلہ وغیرہ کو تفصیل سے ذکر کیا اور آخر وہ معاشی ضرورتوں سے مجبور ہو کر گولڈ زیہر نے یہودی کمیونٹی کے سکوریٹی کی حیثیت سے کام کرنا شروع کر دیا۔

آپ نے اپنے مقالہ میں گولڈ زیہر کے بلند پایہ علمی و تحقیقی کارناموں کی فہرست پیش کی ان میں معرکۃ الآراء کتابوں کا تذکرہ (۱) فرقہ ظاہریہ ان کا مذہب اور ان کی تاریخ ۱۸۸۴ء میں شائع ہوئی (۲) اسلامیات کا مطالعہ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے (۳) اسلامی دینیات اور قانون (۴) مذاہب التفسیر الاسلامی جس میں تفسیر قرآن کے مختلف مناہج سے بڑی محققانہ بحث کی گئی ہے۔

گولڈ زیہر اسلامی نقطۂ نظر سے بحیثیت ایک نامور مستشرق بلند مرتبہ کا حامل تھا لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اس نے غلطیاں نہیں کیں انھوں نے کیں اور ان کی غلطیاں دو قسم کی ہیں۔

(۱) مستشرقانہ غلطیاں
(۲) علمی غلطیاں

مستشرقانہ غلطیوں کے نتیجہ میں ہم کو بنیادی طور پر یہ یاد کر لینا چاہئے کہ کوئی مستشرق خواہ کیسا ہی انصاف پسند اور اسلام کی رفعت و عظمت کا حامی ہو بہر حال وہ غیر مسلم ہے اور اسی بنا پر وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کا مطالعہ جس نقطۂ نظر سے کرتا ہے وہ یقیناً ایک مسلمان کے نقطۂ نظر سے مختلف ہوتا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ ایک شخص کے مسلمان ہونے کے لئے بعض بنیادی عقاید ناگزیر ہیں اگر مستشرق بھی ان عقائد کا حامل ہو تو وہ غیر مسلم ہی کیا رہے گا مثلاً نبوت کا اسلام میں تصور اور اس تصور کے ماتحت آنحضرت صلعم کا مرسل من اللہ ہونا، علاوہ ازیں معراج نبوی اور قرآن کا کلام الٰہی ہونا اور اس طرح کی چند اور باتیں ہیں جو مستشرقین میں عام ہیں اور گولڈ زیہر بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ دوسری قسم کی غلطیاں جو گولڈ زیہر سے سرزد ہوئیں وہ علمی غلطیاں ہیں۔ یہ غلطیاں تعجب انگیز ہیں اور اس سے گولڈ زیہر کے بلند مرتبہ و مقام پر حرف آتا ہے جو انھیں علم و تحقیق کی بارگاہ معلیٰ میں بجا طور پر حاصل ہیں اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جہاں تک گولڈ زیہر کی مستشرقانہ غلطیوں اور فروگذاشتوں کا تعلق ہے مسلمان تو مسلمان زمانہ حال کے بعض مستشرقین نے خود اس کا اعتراف کیا ہے اور گولڈ زیہر کی طرف سے ان کی معذرت کی ہے۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی تقریر:

اس نشست کے اختتام پر صدر مجلس ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے اس نشست میں پیش کئے جانے والے مقالات کو سراہا اور مقالہ نگاروں کو مبارکباد دی ... کہ انھوں نے اپنے اپنے مقالہ میں ایک ایک مستشرق کے متعلق اپنا مطالعہ پیش کیا اور یہ طریقہ قابلِ تعریف ہے اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ مستشرقین نے اپنی تحقیق و کاوش کا جو موضوع بنایا اور جس انداز سے اپنے مطالعہ کو مرتب کیا ہے اور اپنی تالیفات میں جو معلومات جمع کی ہیں وہ سامنے آجائیں اور اس کی روشنی میں کام کو آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے اپنی تقریر میں مستشرقین کے کام کو منفرد تسلیم کرتے ہوئے یہ تجویز رکھی کہ مختلف علوم و فنون کو اختیار کیا جائے اور اس کا اس گہرائی سے مطالعہ کیا جائے کہ مستشرقین نے سیرت کے متعلق کیا لکھا ہے، حدیث کے متعلق کیا لکھا ہے، فقہ کے متعلق کیا لکھا ہے، تاریخ کے متعلق کیا لکھا ہے تصوف کے متعلق کیا لکھا ہے، تمدن کے متعلق کیا لکھا ہے، اس کے لئے چند افراد کو مخصوص کر دیا جائے اور الگ الگ موضوعات کے اعتبار سے ان مواد کو جمع کیا جائے جن پر قدیم مستشرقین نے قلم اٹھایا ہے اور اسی طرح جدید مستشرقین کے خیالات و افکار کا جائزہ لیا جائے کیونکہ آجکل مستشرقین خود آپس ہی میں دست و گریباں ہیں، ایک دائیں جانب ہے تو دوسرا بائیں جانب کے سرے پر ہے اور وہ خود ایک دوسرے کی تردید اور تنکیر پر لگے ہوئے ہیں اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور ان کے ان اقوال کو جمع کیا جانا چاہئے جس میں وہ خود ایک دوسرے کی تردید و تنکیر کرتے ہیں اور اس طرح ہم ایک بڑی جنگ سے بچ جائیں گے۔

آپ نے اپنی تقریر میں اس جانب بھی توجہ مبذول کرائی کہ مستشرقین کا مسئلہ اتنا اہم نہیں ہے جتنا تلامذہ مستشرقین کا ہے۔ مستشرقین کے شاگرد رشید جو عالم میں پھیلے ہوئے ہیں وہ مستشرقین کے عقل و دماغ سے سوچتے ہیں اور وہ ان سے زیادہ خطرناک ہیں کیونکہ ان کی تحقیقات و تالیفات عالم اسلامی میں بہت جلد پہنچ جاتی ہیں اور ان پر اعتماد بھی زیادہ کیا جاتا ہے اس لئے ایسے افراد کا مقابلہ کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی تقریر پر مقالات کی پہلی نشست اختتام پذیر ہوئی۔

(جاری)

(چوتھی اور آخری قسط)

انسانی وجود کا مسئلہ اور اس کا حل

جناب محمود ایم شیخ۔ بی۔ ایس سی۔ ایم ایڈ (صدر مدرس شولاپور سوشل ایسوسی ایشن اردو ہائی اسکول، شولاپور)

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کے مفکر، فلاسفہ اور ادبار مذہب سے دور جا پڑے اور آنے والی نئی دولت اور قوت کے سہارے مادی لذائذ زندگی سے محظوظ ہونے کو ہی مقصد حیات سمجھ لیا مگر ہر چیز جب ٹیڑھے راستے پر چلتی ہے تو اس کے فطری نتائج کا ظاہر ہونا لازمی ہے چنانچہ انفرادی ہوس پرستی بڑھ کر اجتماعی صورت اختیار کر گئی۔ اہل مغرب نے ایک خدائے برحق اور اس کی ہدایت سے منحرف ہو کر نئے نئے اصنام تراشے ان کی پرستش کرنے لگے۔ کبھی وطنیت اشتراکیت، نسلی برتری، آزادی، جمہوریت۔ مساوات، اخوت، انسانیت۔ غرض قسم قسم کے اصنام کے سامنے جبہ سائی کرتے رہے۔ مگر ان میں سے کوئی بھی ان کی مدد نہ کر سکا۔ بلکہ ہر ایک نے انھیں اور زیادہ ہلاکت میں مبتلا کیا۔ مادہ پرستی نے ہوس پرستی کو ابھارا، پچھلی دو عالمی جنگوں نے انھیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔

چنانچہ مذکورہ بالا پس منظر میں انسانی وجود کا اصلی جوہر ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ غرض انسان کو جبلتوں کی مشین جنسیات کا پتلا اور معاشیات کا غلام سمجھا جانے لگا۔ یا اس سے ترقی یافتہ تصور یہ پیدا ہوا کہ انسان سماجی جانور ہے۔ انسانی مسائل کو ان ہی نظریات کے پیش نظر حل کرنے کی کوشش کی گئی۔

امریکہ نے جہاں کے باشندے دنیا کے مختلف ممالک سے آبسے تھے اپنے دستور میں تین اصولوں کو دستور کی اساس بنایا۔ انفرادی آزادی۔ مساوات اور اخوت, Liberty, Equality, Fraternity۔ انفرادی آزادی انسانی ترقی کے لئے ضروری مگر غیر محدود انفرادی آزادی سے سماجی عدل کو نقصان پہنچنے کا ڈر ہوتا ہے اس لئے مساوات کا اصول اختیار کیا گیا۔ اس کی عملی صورت جمہوریت کی شکل میں آئی مگر جمہوریت بھی انفرادی آزادی اور مساوات کے مابین پائے جانے والے اندرونی اختلافات کو پوشیدہ رکھنے میں ناکام ثابت ہوئی تو انسانی اخوت کا تصور پیدا کیا گیا۔ روس نے بھی اپنے سماجی نظام کو ان ہی اصولوں میں ڈھالنے کی کوشش کی مگر اس میں انفرادی آزادی کا تناسب کم یا قریب قریب ختم کر دیا گیا اور مساوات کا تناسب بڑھا دیا گیا۔ مذہب انسانیت کے نام سے ایک نیا مذہب قائم کیا گیا۔ مگر ان تمام کوششوں کو ناکام ہونا تھا ناکام ہوئیں۔ عالم انسانی اور خاص طور پر یورپ کو دو عظیم جنگوں کی جہنم سے گزرنا پڑا کیونکہ رحمانی ربوبیت کے بغیر انسانی اخوت کب کامیاب ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اقبال نے کیسی صحیح پیش گوئی کی ہے ؎

تمہاری تہذیب آپ اپنے ہاتھوں سے خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

جس نظام میں ایک خدائے برحق کا وجود تسلیم نہ کیا جائے اس کو ثبات کس طرح نصیب ہوگا جیسا کہ قرآن میں آیا ہے "ألم تر کیف ضرب اللہ مثلا کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء"۔ (کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے پاک بات کی کیسی مثال بیان فرمائی ہے (وہ ایسی ہے) جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑیں مضبوط (یعنی زمین میں دور تک گئی ہوں) اور شاخیں آسمان میں)۔

"ومثل کلمۃ خبیثۃ کشجرۃ خبیثۃ ن اجتثت من فوق الارض ما لھا من قرار" (اور ناپاک بات کی مثال ناپاک درخت کی سی (نہ جڑ مستحکم نہ شاخیں بلند) زمین کے اوپر ہی سے اکھیڑ کر پھینک دیا جائے اس کو ذرا بھی قرار و ثبات نہیں۔

پہلی عالمی جنگ سے قبل مغربی سائنسدان یہ یقین کر چکے تھے کہ سائنس کے نئے نئے انکشافات ہی عالم انسانی کے لئے بہتری اور فلاح پہنچا سکتے ہیں اور اس کرۂ ارض کو فردوس موعودہ بنا سکتے ہیں مگر دو عظیم جنگوں کے بعد ان کے خوابوں کی یہ دنیا یکلخت بکھر گئی اور آج بھی عالم انسانی ہلاکت کے کوہ آتش فشاں کے دہانے پر کھڑا ہے۔ ساری دنیا کا امن آج بھی صرف دو آدمیوں کی انگلیوں کی حرکت پر موقوف ہے، ایک امریکہ کا صدر اور دوسرا روس کا صدر۔ آج ان دونوں ممالک کے پاس مہیب جنگی آلات، ایٹم بم، ہائیڈروجن بم، راکٹ اور جدید سے جدید آلات جنگ کا بے پناہ ذخیرہ ہے جو دنیا کو چند منٹوں میں تباہ و برباد کر سکتا ہے۔ آج ساری انسانیت ایک قسم کے خوف، ایک دوسرے کے ساتھ بے اعتمادی، ہوس پرستی، خود غرضی ایک دوسرے کے بارے میں شک اور ایسے ہی امراض میں مبتلا ہے اور انسان کی یہ جدید تہذیب اور تمدن یہ سر بفلک عمارات اور اس کی ترقی سب کے سب خطرے میں ہیں۔

اس طرح جدید سائنس نے غیر معمولی اہمیت کے اخلاقی مسائل کھڑے کر دئے ہیں مگر وہ اپنے پاس ان کا کوئی حل نہیں رکھتی ہے۔

مشینوں کے ذریعے انسان کی کم سے کم شرکت سے زیادہ سے زیادہ پیداوار نے ایک طرف سرمایہ دار طبقہ اور دوسری طرف کروڑوں بے کار نفوس کا مسئلہ کھڑا کر دیا ہے جو لوگ کام کرتے ہیں اُن کے پاس بھی طویل فرصت کے اوقات کا مسئلہ ہے۔ ادھر سائنس نے جسمانی عیش و راحت کے ہزاروں وسائل مہیا کئے ہیں۔ دولت مند کی عیش پرستی، ہوس اس کو ھل من مزید، ھل من مزید پر آمادہ رکھتی ہے۔ غرباء میں رشک کی آگ طبقاتی جنگ بھڑکا رہی ہے۔ اس صورت حال سے ایک ایسا نفسیاتی تناؤ پیدا ہو رہا ہے جس سے خوف، شک، ریا، جھوٹ، دغا، فریب جیسے مذموم اوصاف نہ صرف انفرادی بلکہ اجتماعی زندگی کا جز بنے ہوئے ہیں۔ حُب خداوندی میں بنی نوع انسان کے ساتھ اخلاص، ایثار، یقین، احسان، محبت، انفاق مال و زر اور ایسی معروف صفات دن بدن انسانی زندگی سے غائب ہوتی جا رہی ہیں۔ ہمیں سائنس کی فتوحات سے کوئی بیر نہیں مگر اس فلسفۂ حیات سے بیر ہے جو انسان میں نیک صفات پیدا کرنے کی بجائے اس میں بہیمی خواہشات پیدا کرے اور جو بھی نظام دین و مذہب کے خلاف ہوگا بقائے انسانی کے لئے مہلک ہوگا۔

عالم انسانی میں فساد فطری چیز ہے کیونکہ دنیا کی تمام چیزوں میں انسان ہی سب سے زیادہ پیچیدہ مخلوق ہے۔ وہ بیک وقت سماجی جانور بھی ہے اور صاحب اختیار ہستی بھی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ انسانوں میں جسمانی، ذہنی، معاشی، سیاسی غرض ہر شعبہ میں ہمیشہ ٹکراؤ رونما ہوتا رہے گا۔ مگر وہ صرف ایک صورت میں ہلاکت سے بچ سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کو ایک خدائے برحق سے جوڑ لے۔ انسان اپنی ساری قوتوں کو خدائے واحد و برحق کے سپرد کر دے اور اس کی ہدایت اور رضا کو تلاش کرے اور اس کے ساتھ اپنے تعلقات کو استوار کرے اور اس رضا جوئی کی وساطت سے وہ اپنے نوع انسانی کے ساتھ جب تعلقات استوار کرے گا تو باہمی ٹکراؤ سے بچے گا اور فلاح پائے گا اگر اس کے سامنے قرآن کا یہ پیغام رہے گا کہ الٰھکم اللہ واحد ھو الرحمٰن الرحیم اور وہ جب اپنا سب کچھ رحمٰن اور رحیم خدائے واحد کے سپرد کرے گا اور اپنے اعمال و افعال کو تخلقوا باخلاق اللہ کے مطابق سنوار دے گا تب ہی فساد سے بچے گا اور یہی راست انسانی وجود کے مسئلہ کا واحد حل ہے۔

کسی نوع انسانی میں اتحاد اور اشتراک اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک ان کی زندگی میں خدائے برحق کی شرکت نہیں ہوتی۔ جب تک وہ ایک خدائے برحق پر ایمان نہیں لائیں گے اور اس کی بتائی ہوئی ہدایت پر نہیں چلیں گے وہ ہمیشہ خسارے میں رہے گا جب تک وہ اپنی انفرادی اور سماجی زندگی میں خدائے برحق کی کارفرمائی کو تسلیم نہیں کرے گا وہ خسارہ اٹھاتا رہے گا۔ ساری دنیا نے دو مرتبہ اس کا مزہ چکھا ہے مگر ایسا لگتا ہے کہ اس نے ابھی کوئی درس نہیں سیکھا ہے۔ ابھی نیند گہری ہے اور تیسری جنگ عظیم کا خوف سروں پر منڈلا رہا ہے۔ قرآن نے بنی نوع انسان کی تمام تاریخ کو کیا بلیغ انداز میں صرف چند الفاظ میں بیان کیا ہے، "والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا وعملوا الصلحت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر"۔

(تاریخ گواہ ہے کہ انسان ہمیشہ ٹوٹے اور خسارے میں رہا ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایک خدائے برحق پر ایمان لائے عمل صالح کرتے رہے، حق پر ڈٹے رہے اور صبر سے کام لیا)۔

عہد حاضر کے ایک مشہور و معروف مورخ آرنلڈ ٹائن بی جس نے دو عظیم جنگوں کی بربادیوں سے متاثر ہو کر تہذیبوں اور تمدنوں کی موت کا سبب معلوم کرنے کے لئے تاریخ کا مطالعہ کیا۔ اپنی معرکۃ الآراء تصنیف "مطالعہ تاریخ" میں پچھلے چھ ہزار (۶۰۰۰) سالوں میں اس کرۂ ارض پر جنم لینے والے اور فنا ہونے والے تقریباً اکیس (۲۱) تمدنوں پر ایک سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس کی یہ تصنیف دس ضخیم جلدوں اور تین ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ آئیے ہم دیکھیں کہ وہ اپنے اس عمیق اور وسیع مطالعے کے بعد انسانی تاریخ اور تمدنوں کے عروج و زوال کے بارے میں کس سے